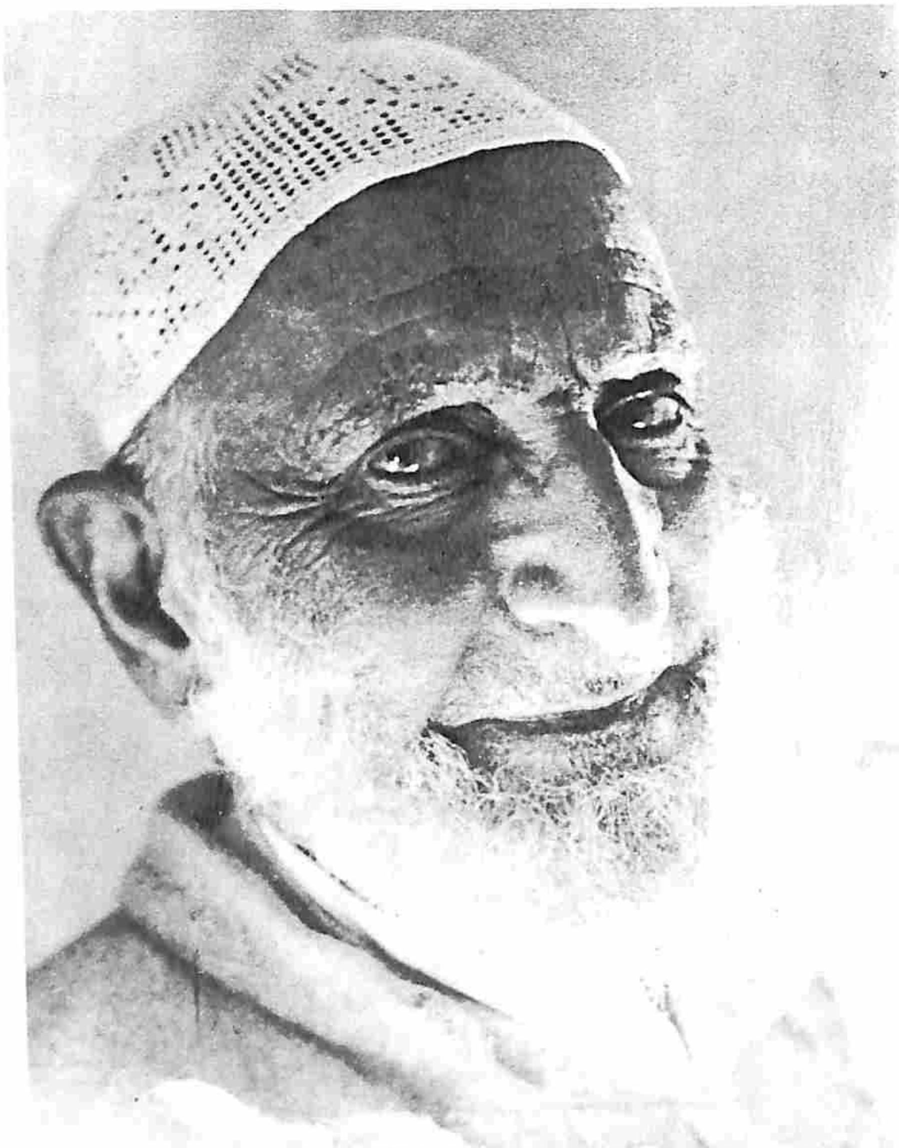
متاعِ فقیر

*

میر غلام رسول نازکی



نام کتاب ـــــ متاعِ فقیر
مصنف ـــــ میر غلام رسول نازکی
خطاط ـــــ گلزار احمد
سرورق ـــــ جی احمد
سالِ طباعت ـــــ سنہ ۱۹۹۶ء
تعداد ـــــ پانچ سو
مطبع ـــــ شالیمار آرٹ پریس سری نگر
قیمت ـــــ ۱۲۵ر روپے

تابش پبلی کیشنز سرینگر کشمیر

*

کبھی اک روز بھی سوچا ہے میں نے
"کہ کتنے دِن گذارے میں نے تجھ بن
مجھے دنیا میں کیوں لایا گیا تھا
چھیاسی[۸۶] سال پہلے آج کے دِن[۱]"!

*

کچھ بچپنے میں بیت گئے کچھ شباب میں
پیری کے دن گذار رہا ہوں عذاب میں
اب مجھ کو خود بھی یاد نہیں میرے ہمنشیں
"کب سے ہُوں میں کہاں جہانِ خراب میں"

---

[۱] ۴ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ حقیر کا یوم ولادت بھی ہے ۱۳۲۸ھ

عرضِ ناشر

میر غلام رسول نازکی کا پہلا مجموعۂ کلام "دیدۂ تر" کے نام سے ۱۹۴۸ء
میں شایع ہوا تھا۔ یہ مجموعۂ کلام اب برسوں سے نایاب ہے۔ ادھر پچھلی دو تین دہائیوں
میں ان کے کشمیری اور اردو کلام کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آ گئے ہیں تاہم ان کے احباب
اور قارئین کی آرزو تھی کہ "دیدۂ تر" دوبارہ طبع ہو۔ دوستوں کے اصرار پر نازکی صاحب اس
کی اشاعتِ ثانی پر آمادہ ہو گئے، اور "چراغِ راہ" (سالِ اشاعت ۱۹۸۹ء) کے بعد کا
اردو کلام اس میں شامل کر دیا، البتہ کچھ چیزیں "دیدۂ تر" کی حذف کر دیں۔ مقدار کے
لحاظ سے یہ حذف و اضافہ خاصا معتدبہ تھا، لہٰذا اس مجموعے کو "دیدۂ تر" کے نام سے شایع
کرنا مناسب معلوم نہیں ہوا ـــــ چنانچہ اب یہ مجموعہ "متاعِ فقیر" کے نام پیش ہو رہا ہے۔

"دیدۂ تر" کا دیباچہ نازکی صاحب کے دوست اور شاگرد مرحوم غلام محمد میر
طاؤس نے لکھا تھا۔ مرحوم سول سروس میں تھے۔ شعر و ادب سے خاصا شغف رکھتے تھے اور
خود بھی شعر کہہ لیتے تھے، ان کا مجموعۂ کلام "موج موج" کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ ان
کا انتقال ۱۴۱۳ھ میں ہوا۔ نازکی صاحب نے تاریخ کہی:

نام و سالِ وصالِ او از من\
گوش کن "از غلام محمد میر"

۱۴۱۳ھ

ان کا لکھا ہوا "دیدۂ تر" کا تعارف "متاعِ فقیر" کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مُقدّمہ

میر غلام رسول نازکی بدھوار ۴، ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ کو تولّد ہوئے اُن کے والدِ بزرگوار میر غلام مصطفٰے نازکی ۱۳۳۰ھ میں سری نگر سے ہجرت کر گئے بانڈی پورہ گئے تھے اور وہاں ماڈر کے گاؤں میں رہائش پذیر ہوئے تھے۔ میر غلام رسول نازکی کا بچپن اور جوانی کا زمانہ اسی گاؤں میں گذرا۔ چوں کہ ان کے والدِ ماجد عربی اور فارسی کے جید عالم تھے' اِسی لئے اوائل عمر سے ہی نازکی صاحب کو علمی ماحول میسر آیا۔ انہوں نے باپ سے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی' بعد میں اُن کو لوور مڈل سکول بانڈی پورہ میں داخل کیا گیا اور انہوں نے وہاں سے چھٹی جماعت کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے انہوں نے سوپور کا رُخ کیا لیکن وہاں رہائش کا کوئی معقول انتظام نہ ہونے کی بنا پر وہ سرینگر چلے گئے اور کادِی کدل سرینگر میں اپنے خاندان کے عزیزوں کے ساتھ رہنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول سرینگر سے مڈل کا امتحان اور پنجاب یونیورسٹی سے مُنشی کا امتحان پاس کیا، چونکہ گھر میں آمدن کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اِس لئے سرینگر میں حصولِ تعلیم کے دوران میں اور اس کے بعد بھی اُن کو کئی کام کرنا پڑے۔ آخر میں اُنکو بانڈی پورہ سے چالیس میل دور وڈی پورہ ہندواڑہ میں آٹھ رُوپے ماہوار پر عربی فارسی کی مدرّس کی اسامی ملی۔ اور وہ مالی مشکلات پر کسی حد تک قابو پانے میں کامیاب ہوئے۔

۱۹۳۱ء میں اُنہوں نے مُنشی عالم اور ۱۹۳۳ء میں میٹرک کے امتحان پاس کئے اور اُن کی تنخواہ بیس رُوپے ماہوار ہوگئی، ۱۹۳۵ء میں انہوں نے مُنشی فاضل اور ۱۹۳۶ء میں

ادیب فاضل کی ڈگریاں لیں۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے ایف اے اور ۱۹۴۹ء میں بی اے کے امتحان پاس کئے لیکن محکمۂ تعلیم میں اُن کی کوئی قدر افزائی نہ ہوئی۔ لکھتے ہیں:

"اس سے مجھ میں شکست خوردگی کے آثار ظاہر ہوئے اور میں نے مزید امتحانات پاس کرنا بے کار سمجھا۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء کا زمانہ اسی پریشان حالی میں گزرا۔"

۱۹۴۳ء میں مشہور ماہر تعلیم خواجہ غلام السیّدین ناظم تعلیمات نے اُن کو لٹریری اسسٹنٹ بنا کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اور گریڈ میں ترقی دی۔ اس کے بعد اُن کو ٹیچرس ٹریننگ کالج میں استاد مقرر کیا گیا۔ پھر کچھ عرصے تک اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز رہے۔ ۱۹۴۷ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۴۸ء میں اُن کا تقرر ریڈیو کشمیر جموں میں کیا گیا۔ ۱۹۵۰ء میں اُن کا تبادلہ ریڈیو کشمیر سرینگر ہوا جہاں سے ملازمت سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے۔

نازکی صاحب کشمیر میں اُردو کے ایک مشّاق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ اُن کی طبیعت بچپن سے ہی شعر و سخن کی جانب مائل تھی، گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ اُن کے والد صاحب عربی و فارسی کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ پرلے درجے کے سخن شناس تھے، نظامی کا خمسہ پڑھاتے ہوئے انہوں نے نازکی صاحب کو شعر کی نزاکتوں اور نفاستوں سے روشناس کرایا بعد میں ان کو اُردو شعر و ادب کی طرف پورے ذوق و شوق سے متوجہ ہونے میں محمد حسین آزاد کی 'آب حیات' نے جادو کا کام کیا لکھتے ہیں:

"میں نے اسے (آب حیات) پڑھا اور آج تک مجھے یاد ہے کہ میں اسے پڑھ کر دیوانہ سا ہو گیا، بیسیوں مرتبہ اس کتاب کو پڑھا، اس سے پہلے میں فارسی شعر و ادب کا دلدادہ تھا اور اردو کی چاشنی سے واقف نہ تھا۔ آب حیات پڑھ چکنے کے بعد میں نے اپنی رائے بدل دی اور اردو کا عاشق ہوا۔"

اس کے بعد اُردو شاعری اور خاص کر کلاسیکی شاعری سے اُن کا لگاؤ قائم ہوا، انہوں نے ابتدا میں اساتذۂ قدیم کی پیروی میں غزلیں لکھیں لیکن ساتھ ساتھ آزاد اور حالی کی قائم کردہ جدید شعری روایت سے بھی استفادہ کرتے رہے اور اُن کے کلام میں تبدیلیاں آتی گئیں، انہوں نے

لکھا ہے:

"اُردو کے رجحانات بدلتے گئے اور بعد میں مسلسل مطالعہ کے ذریعے اس کے بدلتے رجحانات سے متاثر ہوتا گیا اور میرے کلام میں اسی طرح تبدیلیاں آتی گئیں۔"

اسی زمانے میں اُردو کے مشہور اور معیاری ادبی جرائد مثلاً 'ادبی دنیا'، 'ہمایوں اور ساقی' وغیرہ اُن کے زیر مطالعہ رہے اور اِن رسائل میں اُن کی منظومات چھپنے لگی۔ اُن کی ایک نظم "ایک اندھی لڑکی کی دُعا" رسالہ کلیم میں جو جوش ملیح آبادی کی ادارت میں نکلتا تھا" شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی اور نازکی صاحب ریاست سے باہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے۔

نازکی صاحب کی شاعری میں اُن کی زندگی کے واردات و مشاہدات کی جلوہ گری ملتی ہے وہ تخیل آرائی، خیال طرازی اور لسانی تزئین کاری سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے، اُردو کے اکثر و بیشتر شعراء اسی کے شکار رہے ہیں۔ اُن کی شخصیت میں جذبات کی کارفرمائی ملتی ہے۔ مگر جذبات کا وفور نہیں، وہ عقلی قوتوں سے کام لیکر اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں اور اپنی شاعری کو جذباتیت سے آلودہ نہیں ہونے دیتے، وہ زندگی کے نشیب و فراز سے گذرتے ہوئے مختلف حقائق سے متصادم ہو کر اپنے داخلی ردّ عمل کو لفظوں کا جامہ پہناتے ہیں۔ اس طرح سے اُن کی شاعری زندگی کے دُکھ درد کا احساس پیدا کرتی ہے۔ نازکی صاحب کی نجی زندگی جدوجہد کی ایک طویل اور کرب انگیز داستان ہے وہ اپنے عہد اور ماحول کی سختیاں برداشت کرتے رہے، اور انہوں نے ہر قدم پر عزم و حوصلہ کا ثبوت دیا ہے، انہوں نے اپنی شخصیت کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھنے کیلئے شعر گوئی اختیار کی اور وہ اپنے جذبات و احساسات مثلاً غم روزگار، عشق، حسن، درد، تزکیۂ نفس، درد و حسرت، بے ثباتی دُنیا طول امل، استغنا اور غم کی تجسیم کرتے رہے۔ اِن سارے جذبات و خیالات میں اُن کے یہاں احساسِ غم سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اُنکی ابتدائی دور کی شاعری میں اس کا حاوی اثر ملتا ہے غ، م، طاؤس کا خیال ہے کہ اُن کے یہاں شروع سے آخر تک غم کا عنصر موجود ہے، وہ اُن کے اولین مجموعہ کلام "دیدۂ تر" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"شروع سے آخر تک آپ کے کلام کا تجزیہ کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ آپ کی شاعری ایک

دکھی دِل کی پُکار ہے۔ ایک غم انگیز پکار، آپ کے یہاں غم زندگی کی حقیقت اہم ترین حقیقت سے عبارت ہے"
چند اشعار ملاحظہ کیجئے :

محبّت زندگی اور زندگی غم ہوتی جاتی ہے
خوشی تحلیل ہو کر غم میں مدغم ہوتی جاتی ہے

آگ کی حدت، خلش کانٹے کی، پارے کی تڑپ
یہ مرکّب جب ہوا پہلو نشینِ دِل ہوا

دِل عموماً اُداس رہتا ہے — وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
چھوڑ جاتے ہیں ساتھ سب ساتھی — ایک غم ہے جو پاس رہتا ہے

نازکی صاحب کے یہاں دو نمایاں شعری رجحانات مِلتے ہیں (۱) فِطرت نگاری —— اور (۲) خیالی دُنیا بسانے کی آرزو، چونکہ نازکی صاحب کشمیر کی حسین و جمیل وادیوں کے پروردہ ہیں اور اُن کی چشم ہر رنگ میں وا رہی ہے، اس لئے کشمیر کے خوبصورت مناظر اُن کی شخصیت کا حِصّہ بن چکے ہیں۔ انھیں محبُوب میں بھی "کشمیر کی رعنائی" نظر آتی ہے۔ منظر نگاری کا رُجحان انیسویں صدی میں آزاد اور حالی کے بعد کئی شعرا کے یہاں مِلتا ہے۔ یہاں تک کہ موجُودہ صدی میں چکبست، اقبال، سیماب جوش اور حفیظ کے یہاں بھی فِطرت سے قلبی وابستگی کا احساس مترشح ہے۔ اِن شعرا نے فِطرت کے حسین اور متنوع مظاہر کی فنکارانہ تصویریں پیش کی ہیں۔ نازکی صاحب نے اس شعری رُجحان سے بھی اکتساب فیض کیا ہے اور وادی کے سحر آگیں مناظر نے بھی اُن پر جادُو کا کام کیا ہے۔

چاند کی کرنوں سے دُنیا حُسن کا گہوارہ ہے
پرتوِ مہتاب ہے یا نُور کا فوّارہ ہے،
جلوہ گاہِ طور ہے پست و بلندِ کائنات
رات کا سنسان منظر ہے، نظر آوارہ ہے

اِک سُہانی چاندنی رات اور مانسبل کی جھیل
حُسن کی چُپ چاپ دُنیا خلد کا عکسِ جمیل،
دُور تا حدِ نظر سرسوں کے کھیتوں کی قطار
آرزُو کا سِلسلہ لا انتہا، فرصت قلیل

فِطرت نگاری کے زیرِ اثر اُن کے یہاں کشمیر پرستی کا جذبہ مِلتا ہے۔

مرے کشمیر کی ہر شئے حسین ہے — یہاں کی ہر پہاڑی مہ جبین ہے
فلک پر اس زمین کی سرزمین ہے — فلک خود ڈل کے اندر تہہ نشین ہے

اس میں اُن کی مرصّع نظم "کشمیر" قابلِ مُطالعہ ہے۔ اس میں کشمیر کے حسن و جمال کے کئی پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں اور کشمیر اُن کے خواب جمال کی تعبیر بن جاتا ہے

شاعر کے حسین خواب کی تعبیر ہے کشمیر

چند اشعار یہ ہیں :

ہے جلوۂ گل، جلوہ انوارِ الٰہی
یہ وادیٔ کشمیر ہے یا وادیٔ سینا

یہ برف، یہ کہسار، یہ وادی یہ مناظر
چاندی کی انگوٹھی میں زمرّد کا نگینہ

اُن کے یہاں خیالی دُنیا میں مراجعت کا روّیہ بھی خاصا نمایاں ہے۔ یہ ایک رُومانی روّیہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نازکی صاحب حقیقی زندگی سے رشتوں کی تنسیخ کرتے ہیں وہ حقیقت —— کے طمانچے کھاتے ہیں۔ ان کا وجُود مجرُوح ہوتا ہے۔ اُن کے خواب بکھر جاتے ہیں۔ وہ پیکرِ یاس و حسرت بن جاتے ہیں، مگر اُن کا وجُود منتشر نہیں ہوتا۔ وہ اپنی حقیقی پناہ گاہ یعنی تخیّلی دُنیا میں لوٹتے ہیں اور پھر حادثاتِ دُنیا کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس طرح سے اُن کے یہاں حقیقت اور خواب کی آویزش اُن کے شعری عمل کو مہمیز کرتی ہے :

جو میرے دل میں تلاطم ہے کہہ نہیں سکتا
حقیقتوں کے طمانچے میں سہہ نہیں سکتا
تخیّلات کی دُنیا میں میری جنّت ہے
میں واقعات کی دُنیا میں رہ نہیں سکتا

خیالِ یار میں قدرت ہے تخلیقِ دُو عالم کی
اکیلا رہ کے لاکھوں خلوتیں آباد کرتا ہوں

ہر چند کہ تیری دُنیا میں مجبور ہیں ہم مُختار ہے تو
جو ہم نے زمین پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا

ناؔزکی صاحب معاشرتی اور فکری دونوں سطحوں پر زندگی، مرگ، آرزو، غم، التباس بے چارگی اور خوف کے مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں اور اُن کے دل و دماغ میں متنوّع خیالات گونجتے رہتے ہیں، وہ اِن خیالات سے نبرد آزما رہتے ہیں اور اپنی شعری حسیت سے کام لیکر ان کو چابکدستی، صفائی اور ہنرمندی سے نظم کرتے ہیں، مثلاً

نہ قسمت میں حیاتِ جاوداں ہے — نہ اپنے بس میں مرگِ ناگہاں ہے
مری مجبور دُنیا پر مسلط! — اندھیرا ہے، سیاہی ہے، دُھواں ہے

آج ہر درجہ اُداسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ — التجا ایک فداسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

یہ مایوسیاں ہیں کہ مجبوریاں ہیں — نہ جینے کی خواہش نہ مرنا گوارا

ہم سمجھتے ہیں اس زمانے کو — ہم جو پہنچے ہیں اس زمانے تک

زمانہ ایک مسلسل عمل ہے لامحدود — برائے بب اسے پابند ماہ و سال نہ کر
سرمایہ نشاط نہیں حسن بے ثبات — جی چاہتا ہے شکل نہ دیکھوں بہار کی

میر غلام رسول ناز کی کے دور میں علامہ اقبال کا طوطی بول رہا تھا۔ کشمیر کے اُردو شعراء جن میں نازکی صاحب نمایاں تھے، اقبال کے اثر میں رہے، اُن کے یہاں اقبال کے لہجے، زبان اور رویے کے اثرات ملتے ہیں،

جب سے پھینکی فکرِ انسان نے ستاروں پر کمند
زندگی دُشوار تھی، دُشوار تر ہونے لگی

ترا مقام، مقامِ رضا سے آگے ہے
خودی نہ بیچ، طفیلی نہ بن، سوال نہ کر

جہاں سوز و ساز میں نہ پوچھ لذّتِ فراق

اُن کے کلام میں جذبہ حسن و عشق ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اُن کا مزاج عاشقانہ ہے اُن کے جذبہ عشق کی سطح بلند تھی۔ وہ اسے ہوسناکی اور ابتذال سے پاک رکھتے ہیں اور حسن و عشق کے امتزاج سے ایک جمالیاتی فضا کی تخلیق کرتے ہیں۔ یہ فضا انسانی جذبات کی قوسِ قزح سے دمکتی ہے

مرے نغموں کی موسیقار تم ہو — مرا دیپک مرا ملہار تم ہو!
میں فوّاروں میں کرلوں گا چراغاں — کہ میری شام شالامار تم ہو!

خواب تھا یا طلسم کا عالم — تیرے آنے سے تیرے جانے تک

مچل نہ جائے کہیں یہ دلِ فراق پسند — خُدا کے واسطے آرائشِ جمال نہ کر

دُنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیاد تکلم ہے

اس دہکتے عذار پر آنسو
شفق شام میں ستارا ہے

جب سے میں اپنے آپ میں نہ رہا
تب سے پاتا ہوں تجھ کو اپنے قریب

بن کے فردوس نظر آتی ہے سب کے سامنے
وہ صنوبر قد، سمن اندام، سلمائے بہار

نازکی صاحب نے غزلیں بھی لکھی ہیں اور قطعات بھی، وہ گاہے گاہے نظمیں بھی لکھتے رہے ہیں، انہوں نے اُردو اور فارسی میں متعدد نعتیہ کلام بھی پیش کیا ہے۔ بنیادی طور پر ان کا ذخیرہ الفاظ کلاسیکی اور روایتی ہے لیکن کبھی کبھی وہ ضرورتاً روزمرہ زندگی کے الفاظ کو بھی مہارت سے برتتے ہیں۔ زبان پر انہیں قدرتِ کاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں روانی، بے تکلفی اور شگفتگی ملتی ہے۔ وہ الفاظ کا کفایت اور نفاست سے استعمال کرتے ہیں اور گاہے گاہے تشبیہ واستعارہ سے کلام کی فضا کو رنگین بناتے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں جذبہ وفکر کی آمیزش لہجے کی شائستگی اور متانت اور الفاظ کی چستی ملتی ہے۔ قطعہ نگاری میں ان کو یدطولیٰ حاصل ہے۔ اس ضمن میں وہ علامہ اقبال سے بے حد متاثر ہیں۔ بعد میں انہوں نے اختر انصاری اور احمد ندیم قاسمی سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ وہ قطعات میں خیالات وتجربات کی ایک فکر انگیز دُنیا آباد کرتے ہیں۔ یہ قطعے اُن کے شعورِ عصر کے غماز بھی ہیں۔ ان میں جذبات کا ارتعاش بھی ہے مشاہدے کی رنگینی بھی اور فکر کی گہرائی بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ نازکی صاحب کی غزلوں میں

زبانِ بیان کا رچاؤ، فکروخیال کی بلندی اور معاصر حالات کی آگہی کے پرتو جگمگاتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں اُن کا پہلا مجموعہ کلام 'دیدہ تر' شائع ہوا۔ وہ برابر فکرِ سخن کرتے رہے ہیں اور اُن کا تخلیقی ذہن نئے برگ وبار لاتا رہا ہے۔

نازکی صاحب اور اُن کے معاصرین نے کشمیر میں جس زمانے میں اُردو میں شعرگوئی کی ابتدا کی۔ اُردو زبان وادب کی ریاست میں روایت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اقبال کشمیر النسل ہونے کے باوجود وادی سے باہر پیدا ہوئے تھے اور اُردو کی فضاؤں میں پلے بڑھے تھے۔ یہی حال ان سینکڑوں پنڈت شعرا کا بھی ہے جو وادی سے باہر رہے اور اُردو میں شعر کہتے رہے اور اپنے کمالِ سخن سے اہلِ زبان سے دادِ تحسین وصول کرتے رہے۔ اسی طرح کشمیری نژاد شعرا نے کشمیر میں رہ کر اپنی خداداد ذہانتوں کو بروئے کار لاکر اُردو شاعری کی تابناک روایت قائم کی اور آنیوالی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام کیا۔ یہ بلاشبہ نازکی صاحب اور اُن کے معاصرین، جن میں شہ زور کاشمیری، طالب تنہا انصاری، غ، م، طاؤس، غلام علی بلبل، کشن سمیل پوری، رسا جاودانی وغیرہ نمایاں ہیں، کا کارنامہ ہے، کہ آج نئی نسلوں میں ایسے قلمکار سامنے آئے ہیں۔ جنہوں نے اُردو دُنیا میں اپنی تخلیقی قوتوں کا لوہا منوالیا ہے۔

مجموعی طور پر نازکی صاحب کی شاعری میں جو شعری کردار اُبھرتا ہے وہ تحرک، پہلوداری، جذباتی رنگینی، عقلی توازن اور جمالیاتی احساس سے متصف ہے اور اپنے خالق کی بھرپور اور بہت شخصیت کا تاثر اُبھارتا ہے۔ اس سے نازکی صاحب کے شعری ذہن کی فعالیت اور اُن کے فکری رویوں کی رنگارنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ عاشقِ رسولؐ ہیں۔ انسانی اقدار کے شیدائی ہیں۔ بدلتے حالات کے نباض ہیں۔ سماجی تضادوں کے نقاد ہیں۔ جمالیاتی نشاط کے خواہاں ہیں۔ حسنِ فطرت کے اداشناس ہیں اور حسنِ مجاز کے نغمہ خواں۔ وہ جذباتی جزرومد سے گذرتے ہیں مگر تعقلیت، نظم وضبط اور حزم واحتیاط سے دستبردار نہیں ہوتے۔ جذبوں اور رویوں کی یہ گوناگونی اُن کے یہاں روایت کے گہرے شعور سے آمیز ہوکر نقشِ دوام بن جاتی ہے۔ نازکی صاحب نے اُردو شعری روایت کی پاسداری کی ہے۔ وہ کلاسیکی شعری ورثے پر نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام

جو میرے دل میں تلاطم ہے کہہ نہیں سکتا
حقیقتوں کے طمانچے میں سہہ نہیں سکتا
تخیّلات کی دُنیا میں میری جنّت ہے
میں واقعات کی دُنیا میں رہ نہیں سکتا

خیالِ یار میں قدرت ہے تخلیقِ دوعالم کی
اکیلا رہ کے لاکھوں خلوتیں آباد کرتا ہوں

ہر چند کہ تیری دُنیا میں مجبور ہیں ہم مختار ہے تو
جو ہم نے زمین پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا

ناؔزکی صاحب معاشرتی اور فکری دونوں سطحوں پر زندگی، مرگ، آرزو، غم، التباس بے چارگی اور خوف کے مسائل پر غور و فکر کرتے ہیں اور اُن کے دل و دماغ میں متنوع خیالات گونجتے رہتے ہیں، وہ اِن خیالات سے نبرد آزما رہتے ہیں اور اپنی شعری حسیت سے کام لیکر اِن کو چابکدستی، صفائی اور ہنرمندی سے نظم کرتے ہیں، مثلاً

نہ قسمت میں حیاتِ جاوداں ہے
نہ اپنے بس میں مرگِ ناگہاں ہے
مری مجبور دُنیا پر مسلط!
اندھیرا ہے، سیاہی ہے، دُھواں ہے

آج ہر درجہ اُداسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ
اِلتجا ایک ذرا سی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

یہ مایوسیاں ہیں کہ مجبوریاں ہیں
نہ جینے کی خواہش نہ مرنا گوارا

ہم سمجھتے ہیں اس زمانے کو
ہم جو پہنچے ہیں اس زمانے تک

زمانہ ایک مسلسل عمل ہے لامحدود
بلا سبب اسے پابند ماہ و سال نہ کر
سرمایہ نشاط نہیں حسن بے ثبات
جی چاہتا ہے شکل نہ دیکھوں بہار کی

میر غلام رسول ناؔزکی کے دور میں علامہ اقبال کا طوطی بول رہا تھا۔ کشمیر کے اُردو شعرا جن میں ناؔزکی صاحب نمایاں تھے، اِقبال کے اثر میں رہے، اُن کے یہاں اِقبال کے لہجے، زبان اور رویّے کے اثرات ملتے ہیں،

جب سے پھینکی فکرِ انسان نے ستاروں پر کمند
زندگی دُشوار تھی، دُشوار تر ہونے لگی

ترا مقام، مقامِ رضا سے آگے ہے
خودی نہ بیچ، طفیلی نہ بن، سوال نہ کر

جہاں سوز و ساز میں نہ پوچھ لذّتِ فراق

اُن کے کلام میں جذبۂ حسن و عشق ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اُن کا مزاج عاشقانہ ہے اُن کے جذبۂ عشق کی سطح بُلند تھی۔ وہ اسے ہوسناکی اور ابتذال سے پاک رکھتے ہیں اور حسن و عشق کے امتزاج سے ایک جمالیاتی فضا کی تخلیق کرتے ہیں۔ یہ فضا انسانی جذبات کی قوس قزح سے دمکتی ہے

مرے نغموں کی موسیقار تم ہو
مرا دیپک مرا ملہار تم ہو!
میں فوّاروں میں کرلوں گا چراغاں
کہ میری شام شالامار تم ہو!

خواب تھا یا طلسم کا عالم
تیرے آنے سے تیرے جانے تک

مچل نہ جائے کہیں یہ دل فراق پسند
خدا کے واسطے آرائش جمال نہ کر

دُنیائے محبّت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیاد تکلم ہے

اس دہکتے عذار پر آنسُو
شفق شام میں ستارا ہے

جب سے میں اپنے آپ میں نہ رہا
تب سے پاتا ہوں تجھ کو اپنے قریب

بن کے فردوس نظر آتی ہے سب کے سامنے
وہ صنوبر قد، سمن اندام، سلمائے بہار

نازکی صاحب نے غزلیں بھی لکھی ہیں اور قطعات بھی، وہ گاہے گاہے نظمیں بھی لکھتے رہے ہیں، انہوں نے اُردو اور فارسی میں متعدد نعتیہ کلام بھی پیش کیا ہے۔ بنیادی طور پر ان کا ذخیرہ الفاظ کلاسیکی اور روائتی ہے لیکن کبھی کبھی وہ ضرورتًا روزمرہ زندگی کے الفاظ کو بھی مہارت سے برتتے ہیں۔ زبان پر انہیں قدرتِ کاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں روانی بے تکلفی اور شگفتگی ملتی ہے۔ وہ الفاظ کا کفایت اور نفاست سے استعمال کرتے ہیں اور گاہے گاہے تشبیہ واستعارہ سے کلام کی فضا کو رنگین بناتے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں جذبہ وفکر کی آمیزش لہجے کی شائستگی اور متانت اور الفاظ کی چستی ملتی ہے۔ قطعہ نگاری میں ان کو یدِطولیٰ حاصل ہے۔ اس ضمن میں وہ علّامہ اقبال سے بے حد متاثر ہیں۔ بعد میں انہوں نے اختر انصاری اور احمد ندیم قاسمی سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ وہ قطعات میں خیالات وتجربات کی ایک فکر انگیز دُنیا آباد کرتے ہیں۔ یہ قطعے اُن کے شعور عصر کے غماز بھی ہیں۔ ان میں جذبات کا ارتعاش بھی ہے مشاہدے کی رنگینی بھی اور فکر کی گہرائی بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ نازکی صاحب کی غزلوں میں

زبانِ بیان کا رچاؤ، فکروخیال کی بُلندی اور معاصر حالات کی آگہی کے پرتو جگمگاتے ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں اُن کا پہلا مجموعہ کلام 'دیدہ تر' شائع ہوا۔ وہ برابر فکرِ سخن کرتے رہے ہیں اور اُن کا تخلیقی ذہن نئے برگ وبار لاتا رہا ہے۔

نازکی صاحب اور اُن کے معاصرین نے کشمیر میں جس زمانے میں اُردو میں شعرگوئی کی ابتدا کی۔ اُردو زبان وادب کی ریاست میں روایت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اقبال کشمیر النسل ہونے کے باوجود وادی سے باہر پیدا ہوئے تھے اور اردو کی فضاؤں میں پلے بڑھے تھے۔ یہی حال ان سینکڑوں پنڈت شعراء کا بھی ہے جو وادی سے باہر رہے اور اُردو میں شعر کہتے رہے اور اپنے کمال سخن سے اہل زبان سے دادِ تحسین وصُول کرتے رہے۔ اسی طرح کشمیری نژاد شعراء نے کشمیر میں رہ کر اپنی خُداداد ذہانتوں کو بروئے کار لاکر اُردو شاعری کی تابناک روایت قایم کی اور آنیوالی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام کیا۔ یہ بلاشبہ نازکی صاحب اور اُن کے معاصرین، جن میں شہ زور کاشمیری، طالب تنہا انصاری، غ، م، طاؤس۔ غلام علی بُلبل، کشن سمیل پُوری۔ رسا جاودانی وغیرہ نمایاں ہیں، کا کارنامہ ہے، کہ آج نئی نسلوں میں ایسے قلمکار سامنے آئے ہیں۔ جنہوں نے اُردو دُنیا میں اپنی تخلیقی قوتوں کا لوہا منوالیا ہے۔

مجمُوعی طور پر نازکی صاحب کی شاعری میں جو شعری کردار اُبھرتا ہے وہ تحرک، پہلوداری جذباتی رنگینی، عقلی توازن اور جمالیاتی احساس سے متصف ہے اور اپنے خالق کی بھرپور اور ہمہ جہت شخصیت کا تاثر اُبھارتا ہے۔ اس سے نازکی صاحب کے شعری ذہن کی فعالیت اور اُن کے فکری رویّوں کی رنگارنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ عاشقِ رسولؐ ہیں۔ انسانی اقدار کے شیدائی ہیں۔ بدلتے حالات کے نباض ہیں۔ سماجی تضادوں کے نقاد ہیں۔ جمالیاتی نشاط کے خواہاں ہیں۔ حسن فطرت کے اداشناس ہیں اور حسنِ مجاز کے نغمہ خواں۔ وہ جذباتی جزرومد سے گذرتے ہیں۔ مگر تعقلیت، نظم وضبط اور حزم واحتیاط سے دستبردار نہیں ہوتے۔ جذبوں اور رویّوں کی یہ گوناگونی اُن کے یہاں روایت کے گہرے شعُور سے آمیز ہو کر نقشِ دوام بن جاتی ہے۔ نازکی صاحب نے اُردو شعری روایت کی پاسداری کی ہے۔ وہ کلاسیکی شعری ورثے پر نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام

کواُن فنی معایب سے پاک رکھا ہے۔ جو نئی نسلوں کے کم کوش شعراء سے اکثر سرزد ہوتے ہیں اور واقعی وہ کشمیر میں اُردو شاعری روایت کے اوّلین بنیادگزاروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

اُن کی شعری شخصیت کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے طویل شعری سفر میں وقتی تحریکات ورجحانات اور تحریفات سے بالاتر ہوکر اپنے تخلیقی مقتضیات پر توجہ مرکوز کرتے رہے اور اُن کے پاؤں کہیں ڈگمگا نہ گئے۔ اُن کی حیات میں ترقی پسندی کا غلغلہ بُلند ہوا اور کتنے ہی شعراء نے اسی رَو میں آکر اپنی تخلیقی انرجی کو میکانکی مقصدیت کی نذر کیا۔ اسی طرح ۱۹۶۰ء کے بعد جدیدیت کے رُجحان کے تحت کئی کلاسیکی مزاج کے شعراء فیشن کے طور پر اپنے شعری مسلک سے منحرف ہوگئے اور الفاظ کی توڑ پھوڑ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ "کوّا چلا ہنس کی چال" کے مُصداق اپنی شعری صلاحیتوں کا زیاں کرتے رہے نازکی صاحب ان کے علی الرغم ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ قایم رہے اور بادِ تُند کے کسی جھونکے سے متاثر نہ ہوئے وہ شخصیت کی پوری توانائی اور استقامت سے اپنے وجُود کا تحفظ کرتے رہے اور شعر کہتے رہے۔ عمر کی کئی منزلیں طے کرنے کے باوجود اُن کا شعری سفر جاری ہے۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے (اقبالؔ)

حامدؔی کاشمیری

۱۶ر دسمبر ۱۹۹۶ء

پیش لفظ

میرے نزدیک "دنیائے لفظ لباسؔ"[1] میں سب سے مشکل کام کسی شعر پر اظہارِ رائے کرنا ہے میرا ذاتی خیال ہے کہ شعر وہ پیکرِ جمال ہے جسے تشریح کے ہاتھوں سے چھُوا جائے تو اس کا وجود میلا یا کم از کم دُھندلا ہوجاتا ہے۔ شعر یا چاندنی ہے یا خوشبو ہے یا رنگ ہے۔ اِسے آنکھوں میں اُتارا جاسکتا ہے، دِل سے سونگھا جاسکتا ہے یا ذہن پر نقش کیا جاسکتا ہے۔ اسے کسی حال میں بھی تشریح وتفسیر کے دامن میں سمیٹا نہیں جاسکتا۔ شاعر کی شخصیت کے بارے میں ذرا سی توجّہ، تحقیق اور جُستجو سے کام لیکر اچھی بُری رائے کا اِظہار کرنا ممکنات میں سے ہے مگر اس کے شعر کا کیا کیجئے جو اس کے توسط سے اِظہار ہوتے ہی اوروں کی ملکیت بن جاتا ہے اور ہر ایک پر مختلف انداز میں منکشف ہوتا ہے اور پرت پرت کھُل جاتا ہے۔ یہ ظالم کبھی اپنے بارے میں رائے دینے والے کی بھی پول کھولتا ہے (فی الوقت مجھے بھی یہی اندیشہ لاحق ہے) یہ اپنے نفوذ کے لئے کوئی شرط عاید نہیں کرتا بلکہ پانی کی طرح ہر سطح پر بہتا رہتا ہے اور خود ہی اپنی راہ بنالیتا ہے ای لئے کسی بھی شعر کے بارے میں جب ہم تفسیر وتشریح کے دفاتر سے گزرتے ہیں تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی شعر پر مختلف شارحین نے مختلف آرار کا اظہار کیا ہے اور شعر کیا ہے اس کا فیصلہ انجام کار قاری کو خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ ایسا اس لئے بھی ہے کہ شعر کوئی جنس نہیں کہ اُسے تولنے کے لئے میزان اور پیمانے وضع کئے جائیں۔ یہ عروض وغیرہ شعر کا لباس ہیں، فی الاصل شعر نہیں۔ پھر شعر کیا ہے؟ میری نظر میں ایک کیفیت جسے صِرف محسوس کیا جاسکتا ہے، واضح نہیں کیا جاسکتا۔

۱۔ شعروادب کی دُنیا کے لئے یہ ترکیب وضع کی۔

میں اپنے عندیہ کے ثبوت میں یہی دلیل پیش کروں گا کہ اگر یہ صحیح نہیں کہ شعر مختلف طبیعتوں پر مختلف سطح اور مختلف انداز سے مختلف اثر مرتب کرتا ہے تو شرحِ شعر میں تفاوت اور فرق کیوں وارِد ہو جاتا ہے۔ غالبؔ کا شعر ہے :

ہاں! وہ نہیں وفا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز، اسکی گلی میں جائے کیوں

غالبؔ معشوق کی بے وفائی کو اس کے ساتھ اپنی کمِٹمنٹ کے سبب درگزر کرنیکا روادار ہے مومنؔ بھی اسی رویّہ کا حامی ہے مگر دیکھئے اپنے معشوق کی بے وفائی کے دِفاع میں وہ کیا کہتے ہیں

جان نہ کھا وصلِ عدو سچ ہی سہی پر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

اگر یہ دونوں شعر کوئی نیاز فتحپوری مرحوم کے سامنے پڑھتا تو وہ کہتا کہ غالبؔ کو اپنے ساتھ لے جاؤ، مومنؔ کو میرے پاس رہنے دو۔ میں ذاتی طور پر بوجوہ اس کے اُلٹ بات کہوں گا یعنی غالبؔ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ اور باقیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس تناظر میں تفہیمِ شعر انفرادی سطح پر قاری کے ذاتی احساس، زاویۂ نظر اور ردِّ عمل کی بات بنتی ہے اور شعر گوئی بھی شاعر کے ذاتی احساس، زاویۂ نظر اور کسی خیال، واقعہ یا واردات پر اس کے ذاتی ردِّ عمل کا معاملہ ہوتا ہے جس کے اظہار میں وہ کسی پابندی کا لحاظ رکھنے کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کا شعر اس کے انداز سے ایک مختلف ردِّ عمل پیدا کرے، اُس سے شاعر کو کوئی سروکار نہیں ہو سکتا تاایں کہ وہ اپنا زاویۂ نظر ہی نہ تبدیل کرے یا اس کے احساسات میں تغیّر رونما ہو۔ شائد غالبؔ بھی اسی خیال کے معتقد تھے جبھی انہوں نے کہا :

نہ ستائش کی تمنّا نہ صِلے کی پروا
نہ سہی گر مِرے اشعار میں معنی نہ سہی

میرے اپنے معیارِ نقد کے مُطابق اگر شعر کی تشریح کوئی بہت اہم بات نہیں (طالبِ علم اس سے مستثنیٰ ہیں) تو پھر میں زیرِ نظر شعری مجموعے "متاعِ فقیر" پر کیوں اپنی رائے کا اِظہار

کرنے جا رہا ہوں اور یہ کہ اس شعری مجموعے کو پڑھ کر اپنے قلب و ذہن کی دُنیا میں جس تلاطم اور جن کیفیات سے میں گزرا ہوں، کیا میں انہیں گونگے الفاظ کے سہارے بے حِس کاغذ پر اُتار سکتا ہوں؟ میں کیا جواب دوں؟ ایک دوست کی فرمائش کے آگے سپر انداز ہونا میری نظر میں کوئی زیادہ بے تُکی بات نہیں اور میں اس دیباچہ کو اپنے ہی اصولِ نقد کے آگے اپنی پسپائی کے اعلان کے ساتھ شروع کرتا ہوں

"متاعِ فقیر" ایک مردِ فقیر کی فکر و نظر کی قوسِ قزح کا کاغذی ملبوس ہے۔ اِس قوسِ قزح کے بھی سات رنگ ہیں۔ نعت، مناجات، دُرود، قطعات، رباعیات، نظمیں اور غزلیات: فقیر کی جھُولی میں ہر قِسم کی متاع بے بہا ہے۔ آنکھ وا اور دِل اگر زندہ ہے تو دِل و جاں کو سیراب اور شاداب کیا جا سکتا ہے :

آج تک بھی عام طور سے نعت و مناجات کو اَدب میں شمار نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو ایک الگ ہی صِنف کے طور پر قبول کیا جاتا ہے جس میں عقیدت کی بلندی شاعر کے فنی کمال کی سند ٹھہرتی ہے۔ جب تک نارتھرؔ وپ فرائی نے یہ نہیں کہا کہ مذہبی رُجحانات کی ترویج و اشاعت اگر اَدبی وسیلے سے ہو تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیئے اور ایسی کاوشوں کو ادب میں شمار کیا جانا چاہیئے۔ ہمارا اپروچ اس قسم کی شاعری کی جانب عام طور سے روایتی بن رہا۔ اِقبالؔ مذہبی اقدار پر مبنی شاعری کرنے کے سالار ٹھہرے۔ اُن کے ہوتے ہوئے اور اُن کے بعد بھی اس کارواں میں بہت ہی کم لوگوں نے شامل ہونے کا حوصلہ کیا۔ کیوں کہ یہ شاعری ادبی حلقوں میں بار نہیں پاتی تھی۔ وجہ اس پر تنقید ناروا ٹھہری ہے۔ ٹھیک ہے کہ اس شاعری میں عقیدت کا عنصر غالب رہتا ہے اور عقیدت اور عقاید پر تنقید فساد کا باعث بن سکتی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقیدت کس سرچشمے سے پھوٹتی ہے اور اس سرچشمے کی حیثیت کیا ہے اگر اس سرچشمے سے انسانی ذہن کی مثبت تربیت کے اسباق اُبلتے ہیں تو ان کا اَدبی انداز میں اظہار ادب کیوں نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جب کوئی یہ شعر پڑھے :

دلوں کو گردِ کدورت سے پاک کرتا ہے　　ہجومِ غم میں مٹاتا ہے اضطراب دُرود

تو وہ باتیں فوراً ہی ذہن نشین ہوتی ہیں۔

دِل کے آئینے پر گردِ کدورت غیر اخلاقی اور قابلِ نفریں فعل ہے۔ اس گرد کو صِرف دُرود کے وِرد سے صاف کیا جاسکتا ہے کیوں کہ دُرُود پڑھتے ہوئے یہ یاد آنا لازم ہے کہ جن پر دُرود بھیجا جا رہا ہے یعنی محمدؐ پر، انہوں نے کبھی اپنے دل میں کسی کے خلاف بغض وعناد، نفرت، جذبۂ انتقام یا کدُورت کی گرد کو جمنے نہ دیا۔ اس لئے دُرود پڑھنے سے لازم ہوا کہ ان منفی رجحانات سے الگ رہا جائے اور اسی الگ رہنے سے دِل کو سکون واطمینان نصیب ہوگا جو زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے اور معاشرے کو بہتر بنانے کے عمل کے لئے بے حد ضروری ہے: ایک اور شعر دیکھئے

اس دور کو عطا ہو ابوبکرؓ کا خلوص
بوذرؓ کا فقر، صدق وصفا بوترابؓ کا

ابوبکرؓ علامت ہیں خلوص کے کیوں کہ انہی صاحبؓ نے اسلام اور حضورؐ کے ساتھ غیر مشروط عقیدت رکھی اور واقعۂ معراج کا ذکر جب اُن ؓ سے کسی قریشی نے کیا تو انہوں ؓ نے پوچھا کہ یہ کس نے کہا: جواب: محمدؐ نے: ابوبکرؓ: اگر انہوں نے کہا تو میں شہادت دیتا ہوں کہ واقعہ حرف بہ حرف صحیح اور درست ہے:

بوذرؓ پہلے صحابی تھے جنہوں نے مالِ غنیم کے غیر مساوی تقسیم کو قابلِ اعتراض ٹھہرایا اور کچھ صحابہؓ میں عیش کوشی کے رجحان کے خلاف آواز بلند کی۔

ابوتراب علی ابن ابی طالبؓ: صاحبِ حکمت، صاحبِ صدق وصفا جو چہرے پر تھوکنے والے ایک دشمن کے سینے سے اتر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے قتل میں اب میرے ذاتی انتقام کا عنصر بھی شامل ہوگیا اس لئے میں تجھے چھوڑ دیتا ہوں۔

اب اس جہلِ خرد کے زمانے میں جس کے متعلق جگر مراد آبادی نے کہا ہے:

جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے   گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

کیا ایک ابوبکرؓ، ایک ابوذرؓ اور ایک ابُوترابؓ کی ضرورت آپ کو محسوس نہیں ہوتی؟

متاعِ فقیر میں اس قسم کے کئی نعتیہ اشعار آپ کے دل ودماغ کو معطر کریں گے اور اسلاف کے

قابلِ قدر رول کی یاد دِلا کر آپ کو اُن کی پیروی کے لئے ترغیب وتحریص فراہم کریں گے تاکہ آپ انسانی معاشرے کے لئے ایک بہتر فرد ثابت ہوں۔ اگر یہ ادب العالیہ نہیں تو پھر ادب العالیہ کیا ہے؟

اقبالؒ نے دعویٰ کیا کہ 'شاعری جزویست از پیغمبری' اور اپنے کلام سے اپنے دعویٰ کی تصدیق بہم پہنچائی: مثلاً چین کی آزادی سے کئی سال پہلے انہوں نے کہا:

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے   ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے
گیا دورِ سرمایہ داری گیا   تماشہ دکھا کر مداری گیا

یہ STREAK بڑے یا چھوٹے پیمانے پر ہر ایک شاعر میں موجود ہوتی ہے۔ چاند پر انسان کے اُترنے سے پہلے متاعِ فقیر کے شاعر نے کہا تھا۔

کانپ اُٹھی ہے کائناتِ بسیط   جرمِ خاکی ہے مائلِ پرواز
یا الٰہی ہو تمہارے آسمان والوں کی خیر!
آدمِ خاکی نہیں ہے اب مہِ کامل سے دُور

متاعِ فقیر میں درجنوں ایسے اشعار ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اس کے خالق نے موجود کو ماضی سے مِلا کر مستقبل کا آئینہ دار بنایا ہے۔ شاعر نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے ماضی سے رشتہ نہیں توڑا ہے مگر اس کا اپنے حال سے اس طرح مصافحہ کرایا ہے جیسے وہ حال کا حصّہ ہو اور حال سے وہ بات کہلوائی ہے جس میں مستقبل کے نقوش واضح ہیں۔ یہ چند اشعار دیکھئے جو کئی دہائی پہلے لکھے گئے تھے اور ان کا انطباق اُن حالات پر کیجئے جن سے ہم گزر چکے، گزر رہے ہیں یا جن سے ہمارے گزرنے کا احتمال ہے:

میرے رہبروں سے پوچھو یہ کہاں کی رہبری ہے
نہ کہیں نمودِ منزل نہ کہیں نشانِ جادہ

قدریں وہ جان ودِل سے جو کل تک عزیز تھیں
ہیں روبہ انحطاط، زمانہ خراب ہے

موت کا جب نام سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں لوگ
تم نے دیکھا ہم نے دیکھا پھر بھی مر جاتے ہیں لوگ

اہلِ قلم ہوں اہلِ زباں ہوں کہ اہلِ درد
لازم ہے احتیاط ، زمانہ خراب ہے

ہم مصوّر بھی ہیں شاعر بھی ہیں دانشور بھی ہیں
کوئی بتلا دو ہمیں جینے کا فن کب آئے گا۔

میں ان اشعار کی تطبیق آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں مگر مجھے یقین ہے کہ آپ مانیں گے کہ وہ "جزویت" والی بات ان اشعار میں موجود ہے۔ چاہے مضمون کے اعتبار سے چاہے لہجے کے اعتبار سے، چاہے پیغام کے اعتبار سے۔

زیرِ نظر مجموعے کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ شاعر نے ہر وقت اپنے ذہن کے دریچے تازہ ہواؤں کے لئے وا رکھے ہیں۔ بقول راج نرائن راز کے ؎

شاید ہوائے تازہ کبھی آئے اس طرف
رکھا ہے میں نے دل کا دریچہ کھلا ہوا

اس مجموعے کا خالق اس دور میں پیدا ہوا جسے آج کل کی اصطلاح میں روایت پرستی اور روایت پرستوں کا دور کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اس مجموعے میں ایسی غزلیں بھی ہیں جن کا خالصتاً روایتی انداز اور مضامین کا دور نظر آتا ہے۔ اس میں وہ غزلیں بھی ہیں جو روایت بے زاری کی نہیں بلکہ روایت سے انحراف کی غماز ضرور ہیں۔ اس میں وہ غزلیں بھی ہیں جو اسلوب و ادا کے اعتبار سے جدید ہیں بلکہ جدید تر۔ یہ اوصاف صرف ایک حد درجہ ذہین، فعال، متحرک اور باشعور شاعر کے یہاں مل سکتے ہیں۔ اس شاعر نے نیا زینہ چڑھ کر پچھلے زینہ کو گرا نہیں دیا ہے بلکہ زینہ بہ زینہ اپنا ایک مکمل زینہ تیار کیا ہے جس کے پہلے سے لیکر آخری زینے تک صرف وہ خود براجمان ہے۔ مزید متاعِ فقیر کی شاعری کسی دور کی بھی سہی، شاعر نے اپنی جداگانہ لفظیات اور انداز و ادا سے اپنی پہچان برقرار رکھی ہے۔

سلسلہ معرفت کا بند ہوا
آدمی جب سے عقلمند ہوا

آموزگاہِ عظمتِ آدم رہا ہوں میں
صد شکر اس اصول پہ محکم رہا ہوں میں

خُدا دلوں سے دور ہے مہیب و ناصبور ہے
یہ مولوی کا فلسفہ نوشتۂ ازل نہیں

اسی مجموعے میں ۱۹۷۰ء کے آس پاس کہی گئی، دس اشعار کی ایک غزل ہے۔ ہر شعر اس غزل کا بیت الغزل ہے۔ دو شعر سنیئے۔

زنداں کے بام و در کی حفاظت کے واسطے
نقش و نگارِ تاج محل بیچتا ہوں میں
مُلّا قرآن فروش مجاہد وطن فروش
میں کس شمار میں ہوں غزل بیچتا ہوں میں

اگر رام نرائن موزوں صرف یہ شعر کہہ کر

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

ادب میں بقائے دوام اور شہرتِ عام کی مسند پر جاگزیں ہوئے ہیں تو متذکرہ اشعار کے خالق شاعر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔؟

'متاعِ فقیر' کی شاعری کے ایک اور وصف تک میری رسائی ہوئی ہے۔ یہ ہے عام طور سے شاعر کا زندگی کی جانب ایک رجائی اپروچ۔ اس شاعر کے یہاں غم کی بھی ایک اپنی جمالیات ہے اور بہت زوردار۔ وہ غم سے اخذ مسرت کرنے میں یقین رکھتا ہے اور غم کو عطائے الٰہی سمجھتا ہے۔

میرے خیال میں غم لازوال دولت ہے
میں غم نصیب کو کس مُنہ سے بدنصیب کہوں

غم کے مضمون سے متعلق سارے اشعار مجموعہ میں موجود ہیں اور یہ سارے اشعار غم کی جانب شاعر کے عاشقانہ رویّہ کے غماز ہیں۔ یہ رویّہ اُن کا ذاتی اور اپنا ہے جو قابلِ توجہ

بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔

جہاں تک رُباعیات اور قطعات کا تعلق ہے، اُن کو پڑھ کر فوری طور پر جو باتیں ذہن میں آتی ہیں وہ ہیں

— شاعِر کو رُباعی اور قطعہ کے فن پر بے پناہ گرفت ہے

— شاعِر زندگی اور ماوری زندگی کے تخیل کے حسین گوشوں کے کھنگالنے کے علاوہ مسلّمہ اقدار کے پُراثر بیان پر قادِر ہے۔

تیرہ دل کی ہم نشینی سے مری جاں دُور بھاگ
صحبتِ روشن نفس سے دِل کی کھُل جاتی ہے جاگ
آگ کی آغوش میں پڑ کر چمکتا ہے زغال
راکھ کے نیچے دَبا رکھنے سے بجھ جاتی ہے آگ

خط کشیدہ اَلفاظ شاعِر کی لفظی جَمالیات کے حس کی شہادت پیش کرتے ہیں اور قطعہ میں جو سرمدی پیغام ہے وہ اس دور کے حساس ذہنوں کے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے وہ بیان سے بالاتر ہے یہی صُورت شاعِر کے دُوسرے قطعات و رُباعیات کی بھی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ جب آپ اپنے زاوِیوں سے انہیں دیکھیں گے تو کچھ زیادہ ہی محظوظ ہوں گے۔

'متاعِ فقیر' میں شامِل نظمیں بہت پہلے کی کہی ہوئی ہیں۔ اِن نظموں کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آج (1996 میں بھی) جب کہ نظم کئی رُوپ رنگ بَدل چکی ہے اور ایک پُورا سفر طے کر چکی ہے۔ یہ نظمیں کس طرح بھی ٹکسال باھر کا سکّہ نہیں سمجھی جا سکتیں۔ اگر اس مجمُوعہ میں صرف ایک نظم " اندھی لڑکی کی دُعا" شامِل ہوتی۔ جب بھی 'متاعِ فقیر' کے شاعِر کو نظم کا شاعِر ماننے میں کوئی اَمر مانع نہیں ہوسکتا تھا چہ جائیکہ مجمُوعے میں اور بھی کئی پُراثر نظمیں ہیں۔

اِن نظموں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ شاعِر نے اِن کے مضمُون کے اَعتبار سے اَپنے اسلُوب کو ترتیب دیا ہے۔ مانسّبل کی جھیل کے حوالے سے اَلفاظ کی جَمالیات اور اُن کا جمال دیدنی ہے لیکن 'اندھی لڑکی کی دُعا' کا پیکر ایسے لفظوں سے تراشا گیا ہے۔ جن کی نزگی دِل دِگر

کو پارہ پارہ کردیتی ہے۔ میری ناقِص رائے میں تاثر، اسلوب اور اَدا کے اَعتبار سے 'اندھی لڑکی کی دُعا' حالی کی 'مناجاتِ بیوہ' سے بہتر نظم ہے۔

"متاعِ فقیر" کے اشعار میں شاعِر نے کہیں اَپنا تخلّص استعمال نہیں کیا ھے۔ شاید وہ اِس پر رائے دینے والے کسی شخص کو اپنی شخصیت کے اثر میں لانا نہیں چاہتے تھے۔ اس کا فائدہ مجھے اس طرح ہوا کہ میں نے اپنی رائے بے باکی اور بلا کسی جانبداری کے اظہار کی۔ مجمُوعہ چھپ کر آئے تو سبھی دیکھیں گے کہ یہ پُروقار قادِرالکلام اور نابغہ قسِم کا شاعِر کون ھے۔

اپنے اس دفترِ بے معنی کو بند کرنے سے پہلے میں یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا ہوں کہ 'متاعِ فقیر' کا شاعِر نعت کا شاعِر ہے یا مناجات کا، نظم کا شاعِر ہے یا غزل کا، قطعات کا شاعِر ہے یا رُباعیات کا۔ کبھی نعت نے وَجد طاری کیا تو کبھی مناجات نے مسحور کیا۔ کبھی نظم نے دِل پر آرے چلائے تو کبھی غزل نے دل پر پھاہا رکھا۔ کبھی قطعات سے آسُودگی میسّر ہوئی تو کبھی رُباعیات نے مشامِ جاں معطّر کیا۔ کبھی، اِن سب کو ملا کر ایک مکمل اور قد آور شاعِر کا پیکر نظرُوں میں تعمیر ہوا۔ اور دِل میں ایک سوال نے سر اُٹھایا۔ کیا " مکمّل" کو خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے؟ یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

حکیم منظور

سرینگر

۱۲. دسمبر ۱۹۹۶ء

نغمۂ توحید

گفتگو — لا الٰہ الا اللہ
جستجو — لا الٰہ الا اللہ

چشمِ دل واکُن و تماشا کُن
سُو بسُو — لا الٰہ الا اللہ

یم بہ یم قطرہ قطرہ بحر بہ بحر
خو بخو — لا الٰہ الا اللہ

از صراحی تراود و از جام
وز سبُو — لا الٰہ الا اللہ

باغ بود و نبود را بخشد
رنگ و بو ۔ لا الٰہ الا اللہ

افضل الذکر چیست می جوئی
فاعلمو ۔ لا الٰہ الا اللہ

نے حقیقت زن و زر و فرزند
من و تو ۔ لا الٰہ الا اللہ

ہست حرزِ منیع و حصنِ حصین
از عدو ۔ لا الٰہ الا اللہ

آنچناں زی کہ سُو بسُو بینی
رُو برُو ۔ لا الٰہ الا اللہ

اعتبار تو لا شریک لہٗ
آبرو ۔ لا الٰہ الا اللہ

آرزو اینکہ دِل فگار و پیچ
آرزو ۔ لا الٰہ الا اللہ

چشمِ غمناک قلب را سازد
باوضو ۔ لا الٰہ الا اللہ

کلمۂ عرش و کائناتِ بسیط
کاخ و کو ۔ لا الٰہ الا اللہ

موبمو نقش کُن بہ لوحِ دِلم
ہُو بہُو ۔ لا الٰہ الا اللہ

درُود

شفیعِ روزِ جزا دافعِ عذاب درُود
خدا کے نُور کو کرتا ہے بے حجاب درُود

رسولِ پاکؐ کی خدمت میں بے شمار سلام
نبیؐ کی روحِ مُقدّس پہ بے حساب درُود

درود کیا ہے عبادات کی شبِ معراج
عروجِ اوجِ کمالات کا شباب درُود

تصوّرات کو دیتا ہے عرش کی پرواز
تخیّلات میں لاتا ہے انقلاب درُود

خُدا اور اُس کے فرشتے کہیں درُود و سلام
کلامِ حضرتِ حق ذٰلِکَ الکتاب درُود

جلالِ وحدتِ حق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
جمالِ زُہرہ و مرّیخ و ماہتاب درُود

شعیبؑ و صالحؑ و ادریسؑ بھیجتے ہیں سلام
بلالؓ و بوذرؓ بوبکرؓ و بوترابؓ درُود

دِلوں کو گردِ کدُورت سے پاک کرتا ہے
ہجومِ غم میں مِٹاتا ہے اضطراب درُود

درُود و نعت ہے اعمالِ صالحہ کا نچوڑ
عبادتوں میں عبادت ہے انتخاب درُود

میں پُر خطا ہوں سیہ کار ہوں تمنّا ہے
حضورِ حق میں کرے مجھکو باریاب درُود

لحد میں ہوگی بہرحال پُرسشِ اعمال
ہر اک سوال کا ہوگا مرا جواب درُود

*

دین میرا شوقِ پابوسِ رسولِ ہاشمیؐ
عشق میرا رقصِ طاؤسِ رسولِ ہاشمیؐ
میری عزت خواجۂ یثربؐ کی عزت پر نثار
میرا مذہب حفظِ ناموسِ رسولِ ہاشمیؐ

نعت

اندیشۂ عذاب نہ کھٹکا حساب کا
فیضان ہے جنابِ رسالت مآبؐ کا

مایوسیوں میں تھام لیا دامن آپؐ کا
محرومیوں میں نام لیا آنجنابؐ کا

اس دور کو عطا ہوا اُبوبکرؓ کا خلوص
بوذرؓ کا فقر صدق و صفا بوترابؓ کا

جب سے بنا غلام غلامانِ مصطفیٰؐ
ذرّے کو اعتبار ملا آفتاب کا

بس ایک بار اے مرے یوسف جمال آ
محمل ہے فرشِ راہ زلیخا کے خواب کا

نعتیہ غزل

تابندہ تر ہے خاک مری مہر و ماہ سے
وابستہ ہوں جنابِ رسالت پناہ سے

منسوب جب سے ہوں مدنی کج کلاہ سے
ڈرتا نہیں ہوں میں کسی عالم پناہ سے

مرتا رہا تغافلِ پیہم سے بار بار
جیتا رہا ترے کرمِ گاہ گاہ سے

میری حیات ایک مسلسل ثواب ہے
اس کو نکھارتا ہوں مسلسل گناہ سے

میری نگاہ گردِ کدورت سے پاک ہے
آجاؤ میرے دل میں اسی شاہراہ سے

اک لمحہ جیسے رک سی گئی نبضِ کائنات
ٹکرا گئی نگاہ کسی کی نگاہ سے

*

میرا قرآں مصحفِ روئے رسولِ ہاشمیؐ
حوضِ کوثر خوئے دلجوئے رسولِ ہاشمیؐ
میرا فردوسِ بریں کوئے رسولِ ہاشمیؐ
شاخِ طوبیٰ عکسِ گیسوئے رسولِ ہاشمیؐ

برگِ سبز

نازها دارم که دل دارم توئی
یارسول اللهؐ مددگارم توئی

از غمِ دنیا و از فکرِ معاد
غافلم، دانم که غمخوارم توئی

خفته‌ام در سایهٔ دیوارِ تو
یا محمدؐ بختِ بیدارم توئی

چوں کنم اندیشهٔ سود و زیاں
اندکم شادم که بسیارم[3] توئی

منّتِ ساحل کشیدن ابلهی است
کشتی و دریائے ذخّارم توئی

از نگاہم لرزه گیرد آفتاب
جلوه فرما در شبِ تارم توئی

کعبهٔ تعمیر کن از خاکِ من
پورِ ابراهیم! معمارم توئی

رونقِ بازارِ امکانم توئی
کعبهٔ شوقِ فراوانم توئی

جلوۂ پیدا و پنہانم توئی
شعلۂ شمعِ شبستانم توئی

عشقِ بے پروائے من گرمِ سفر
کشتی و گرداب و طوفانم توئی

تو مرا آموختی رمزِ حیات
جسم و جانم دین و ایمانم توئی

آبروئے ما ز نامِ پاکِ تُست
تابِ گیسوئے پریشانم توئی

لا و اِلّا را نمیدانم کہ چیست
ہر چہ آید در نظر دانم توئی

*

تزئینِ کائنات، رسولِ خدا کی ذات
تنویرِ شش جہات، رسولِ خدا کی ذات

مجموعۂ صفات، رسولِ خدا کی ذات
عرفانِ عین ذات، رسولِ خدا کی ذات

وہ چال ڈھال جیسے کہ شاداب ڈال ڈال
سرسبز پات پات، رسولِ خدا کی ذات

جہلِ خرد کی شور زمیں میں چھپا ہوا
سرچشمۂ حیات، رسولِ خدا کی ذات

مایوسیوں کی تیرہ و تاریک رات میں
قندیلِ التفات، رسولِ خداؐ کی ذات

ہے عارضِ صبیحِ محمدؐ طلوعِ مہر
صبحِ شبِ برات، رسولِ خداؐ کی ذات

اِک رُوسیاہ طالبِ سرمایۂ نجات
سرمایۂ نجات، رسولِ خداؐ کی ذات

---

*

اللہ کا کلام رسولِ خداؐ کا نام
جبرئیل کا پیام رسولِ خداؐ کا نام

ذکرِ محمدؐ عربی موجِ سلسبیل
کوثر کا دورِ جام رسولِ خداؐ کا نام

محرُوم ہو کہ محرمِ رازِ شبِ الست
منشورِ فیضِ عام رسولِ خداؐ کا نام

کیا ہوگی اس سے بڑھ کے تیری بندہ پروری
لیتا ہے اِک غلام رسولِ خداؐ کا نام

کہتا رہا رکوع و سجود و قیام میں
ہر فایز المرام، رسولِ خدا کا نام

با وصفِ معصیت یہ سیہ کار مُو سفید
جپتا ہے صبح و شام رسولِ خدا کا نام

*

نظامِ زندگی میں برہمی ہے
جہاں کا ذرّہ ذرّہ ماتمی ہے
ابھی تک جی رہا ہوں بے حیا ہوں
مرے احساس میں شاید کمی ہے

از تو قائم گرمیِ ہنگامۂ بود و نبود
خیز و کم کن شکوہ ہائے گردشِ چرخِ کبود

روزگارے در خمِ ابروئے دلبر باختم
زاں سبب پیشِ خداوندے نیاوردم سجود

مرغکے دیشب بگلزارے بشاخے می سرود
شاہدِ گل را ثباتے نیست دل دادن چہ سود

ہر کہ را حسنے عطا کردند اوقاتش کم است
بلبل از گل، گل ز شبنم، از انجم شنود

جنتِ کشمیر را نازم کہ حسنِ ایں دیار
عشوۂ کرد و دل شیرازیاں با خود ربود

*

بے سبب مشلِ مہِ نو کاستم
یافتم زاں بیش کز تو خواستم

تا تو رفتی دِل رمید از سینہ ام
آمدی من از میان برخاستم

کج روم از من اگر دزدی نظر
راست بینی راست گویم راستم

بے تو بودم منفرد دَر انجمن
باتو خلوت راچو بزم آراستم

گر کنُد ساقی نگاہِ التفات
ساغر و جام و مے و میناستم

نے رفیقِ صحبتے نے ہمدمے
یکہ و تنہا دریں صحرا ستم

*

اے غلامِ شہہِ لولاک لما
تیرا ہر بول رہے گا بالا
زیست کا غم ہو کہ اندیشۂ مرگ
لَاتخف اِنَّكَ اَنْتَ الاعلٰے

*

ہیچکس در بزم دُرد آشام نیست
بادہ ہا در خُم بکف ہا جام نیست

تشنگاں را تشنگی افزودہ اند
در صراحی بادۂ گلفام نیست

ہر نفس زیر و بم تار حیات
تا نفس باقی بود آرام نیست

شکوہ کم از گردشِ ایام کُن
زندگی جُز گردشِ ایام نیست

آبروئے خود مریز از بہرِ نان
کم نگاہی بختِ نافرجام نیست

تا کفن دُزدی کُند پیرِ حرم
در نصیبش جامۂ احرام نیست

دیدہ ام وارفتگاں را در نماز
وقتِ شاں پابندِ صبح و شام نیست

کوسِ رحلت مے وزد اے مستِ خواب
ایں نوائے مرغِ بے ہنگام نیست

---

*

پابندِ رسم و راہِ جہاں نیستم ازاں
ہمچو مُسافرے سرِ راہے نشستہ ام

در اضطراب صرف نمودم تمام عمر
گاہے بپاستادہ و گاہے نشستہ ام

آیا بود کہ جلوہَ دہد یوسفے چو ماہ
در انتظار بر لبِ چاہے نشستہ ام

زانکہ باریاب شدم در حضورِ دوست
دور از عدو بشہر پناہے نشستہ ام

دہیم پادشاہ بیک جو نمی خرم
بر فرق کج نہادہ کلاہے نشستہ ام

روزے نشستہ ام بمیانِ تو نگراں
گوئی بقعرِ چاہِ سیاہے نشستہ ام

بزمِ نجوم، بزمِ گدایانِ میکدہ
من درمیانہ صورتِ ماہے نشستہ ام

محرومِ التفاتِ نسیم گرچہ گُل نسیم
با گُل مثالِ برگِ گیاہے نشستہ ام

تا زخمِ تازہ تر شود و نالہ پُر اثر
اُمیدوارِ تیرِ نگاہے نشستہ ام

*

الله الله ایں عنایت یا رسولِ ہاشمیؐ
سر نہادم زیرِ پایت یا رسولِ ہاشمیؐ

کاروانِ نسلِ آدم خفیہ و آشفتہ بُود
خاست از بانگِ درایت یا رسولِ ہاشمیؐ

سایہ گستر شو بحشر، ہم بدنیا از کرم
کُن مہمّاتم کفایت یا رسولِ ہاشمیؐ

نازہا دارم بریں دِل کاندرو ساکن نشد
ہیچ محبوبے سوایت یا رسولِ ہاشمیؐ

یک نگاہِ کیمیا سازے کہ گردد مستنیر
جانم از شوقِ لقایت یا رسولِ ہاشمیؐ

ارمغاں آوردۂ از حق کہ ماند تا ابد
نسخۂ رشد و ہدایت یا رسولِ ہاشمیؐ

*

اعیانِ رُسل جن و بشر حور و ملایک
صحنِ چمن و نسترن و بُلبُل و مینا
جس نے تجھے دیکھا وہ تہِ دل سے پکارا
تاللہِ لقد اٰثرک اللہُ علینا

*

یہی ہے حفظِ مراتب یہی ہے راہِ ھُدیٰ
خُدا خُدا ہے رسُولِ خُدا، رسُولِ خُدا
رسول بندۂ مطلق، خدا سمیع و بصیر
نہ وہ خُدا سے جُدا ہے، نہ یہ نبی سے جُدا

حلوُل بندہ و معبُود کا نہیں ممکن
یہی عقیدہ ہے بے شک عقیدۂ مومن

غزلیات

*

کشمیر کا رہنے والا ہوں، اُردوئے معلّٰی لکھتا ہوں
اس دیس میں مجھ سا کوئی بھی اُردو کا سخنور ہو نہ سکا

*

گو عمر کٹی مایوسی میں دِل غم سے مکدّر ہو نہ سکا
ایمان میں تزلزل آنہ سکا، دامانِ وفا تر ہو نہ سکا

ہرچند کہ طوفانوں سے لڑا، سیلاب سے الجھا، یم میں پلا
پیغمبر طوفاں نوحؑ، مگر اشکوں میں شناور ہو نہ سکا

ازبسکہ چمن زاروں میں پلا صحرا میں اُگا جنگل میں بڑھا
اُس قد کے برابر سروِ سہی، شمشاد و صنوبر ہو نہ سکا

بُجھ بُجھ کے جلا جل جل کے بُجھا جی جی کے مرا مر مر کے جیا
خورشید منور پھر بھی مگر اس بُت کے برابر ہو نہ سکا

جس قربت پہ نوری نازاں ہیں وہ قرب ہمیں بھی حاصل تھا
ہم قرب کو لیکر کیا کرتے جب غم ہی میسّر ہو نہ سکا

ہرچند کہ تیری دُنیا میں مجبور ہیں ہم مختار ہے تُو
جو ہم نے زمیں پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا

کشمیر کا رہنے والا ہوں، اُردوئے معلّٰی لکھتا ہوں
اِس دیس میں مجھ سا کوئی بھی اُردو کا سخنور ہو نہ سکا

---

*

ایماں بقدرِ طولِ امل بیچتا ہوں میں
لیکن ضمیر پہلے پہل بیچتا ہوں میں

تصویرِ قدس بن کے مریدوں کی بھیڑ میں
مصحف کو رکھ کے زیرِ بغل بیچتا ہوں میں

اپنی سیاہ فردِ عمل لے کے ہاتھ میں
پیغمبرِ خدا کا عمل بیچتا ہوں میں

آماجگاہِ حسنِ ازل ہے مرا وجود
آماجگاہ حسنِ ازل بیچتا ہوں میں

زنداں کے بام و در کی حفاظت کے واسطے
نقش و نگارِ تاج محل بیچتا ہوں میں

ہر شے بکاؤ ہے میرے بازارِ فکر میں
ہر شے بغیر لیت و لعل بیچتا ہوں میں

مُلا قرآں فروش مجاہد وطن فروش
میں کس شمار میں ہوں غزل بیچتا ہوں میں

میں جانتا ہوں کیا ہے خریدار کا مزاج
زہراب میں ملا کے عسل بیچتا ہوں میں

گاہک ہیں میرے برہمن و ملاّ و محتسب
کس نے کہا کہ جنسِ دغل بیچتا ہوں میں

توحید میرے زورِ بیاں سے مُستفید
خلوت میں جا کے لات و ہُبل بیچتا ہوں میں

*

راستے میں ایک بستی ہے وہاں کعبہ بھی ہے
میں نے دیکھا تھا مدینے کی طرف جاتے ہوئے
جن کی ہِمت پست ہوتی ہے وہ رُکتے ہیں وہیں
وہ بھی جاتے ہیں مگر جاتے ہیں سستاتے ہوئے

*

آج حد دَرجہ اُداسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ
اِلتجا ایک ذرا سی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

آج کی رات بھَیانک ہے مرے ساتھ رہو
اور قیامت بھی بپا سی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

آج اس شہر پہ نازل ہے خداؤں کا عتاب
تو بھی اس شہر کا باسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

آسماں بَر سرِ پیکار ہے نظریں نہ چُرا
یہ زمیں خوں کی پیاسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

میں اکیلا ہوں سمندر کا تلاطُم ہے محیط
رات اِک کالی بلا سی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

کربلا آج بھی ہے دیکھ اِدھر خونِ حسینؓ
وہ محمدؐ کی نواسی ہے مرا ساتھ نہ چھوڑ

---

*

ادا شناس بن، یہاں قیاس کا محل نہیں
جنون اساسِ عقل ہے، دِماغ کا خلل نہیں

خدا دِلوں سے دور ہے، مہیب و ناصبور ہے
یہ مولوی کا فلسفہ نوشتۂ ازل نہیں

جہانِ سوز و ساز میں نہ پوچھ لذّتِ فراق
وِصال گو لذیذ ہے، فِراق کا بَدل نہیں

غرورِ حسن ناروا کہ حسن بے ثبات ہے
خلافِ طبع ہو تو ہو، یہ بات بے محل نہیں

جنوں کا حال کیا لکھیں، خرد کی بات کیا کریں
تلاش روزگار ہی سے فُرصت آج کل نہیں

چمن کا رنگ و نور ہے مرے نوا کی دِلکشی
اگر غزل میں بانکپن نہیں، مری غزل نہیں

---

*

میں اس غریب کی مانند دِل سے لڑتا ہوں
جو بے کسی میں الجھتا ہے قرض خواہوں سے
جو نااُمید ہو لڑنے کے بعد اور دیکھے
متاعِ خانہ کو حسرت بھری نگاہوں سے

---

*

جبینِ ناز کو آلودۂ ملال نہ کر
میں بے ادب ہوں میری بات کا خیال نہ کر

مچل نہ جائے کہیں یہ دِل فراق پسند
خدا کے واسطے آرائشِ جمال نہ کر

فراق نے اسے بخشی ہے زندگی کی تڑپ
دِلِ ستم زدہ کو خُوگرِ وصال نہ کر

خدا بھی تجھ سے جو پوچھے تری رضا کیا ہے
قلندری کا تقاضا ہے عرضِ حال نہ کر

ترا مقام مقامِ رضا سے آگے ہے
خودی نہ بیچ طفیلی نہ بن، سوال نہ کر

زمانہ ایک مسلسل عمل ہے لا محدود
بلا سبب اسے پابندِ ماہ و سال نہ کر

*

فریاد بن کے قیدِ ضمیرِ جرس میں ہوں
تہمت لگی ہے مجھ پہ کہ میں اپنے بس میں ہوں
اِک بیکراں فضا میں اڑا چاہتا ہے دل
صدیاں گذر گئی ہیں، میں اب تک قفس میں ہوں

*

مِرا دل عجیب شے ہے، نہ کر اس سے استفادہ
کبھی خوش کبھی مکدّر کبھی کم کبھی زیادہ

مرے رہبروں سے پوچھو یہ کہاں کی رہبری ہے
نہ کہیں نمودِ منزل نہ کہیں نشانِ جادہ

کوئی حادثہ ہی ہوگا جو انہیں مِلا کے رکھ دے گا
ترا حُسن عرش پیما مرا عشق پا پیادہ

مری خلوتوں کی رونق مری جلوتوں کی زینت
تری ہر ادائے رنگیں ترا حُسن صاف و سادہ

مجھے اَب پتہ چلا ہے کہ وہ مائلِ کرم تھے
مجھے بزم میں جو دیکھا تو بدل گیا ارادہ

*

اے حسینانِ دہر میں ممتاز
میرا دِل تیرا فرشِ پا انداز

کانپ اُٹھی ہے کائناتِ بسیط
جرمِ خاکی ہے مائلِ پرواز

فکرِ انجام کھا رہا ہے مجھے
اے گرفتارِ نقطۂ آغاز

تو دِلوں کی نظر سے بچ نہ سکا
میں ابد تک رہا بہ صیغۂ راز

تیرے آتے ہی دِل ہوا روشن
اے تمنّائے خاکِ پاکِ حجاز

ہم نے غالب سے کی یہ گستاخی
بعد اندیشہ ہائے دور و دراز

---

*

نظارۂ جمال، ہوائے چمن بھی ہے
تسخیرِ کائنات بھی ہے علم و فن بھی ہے
جلوہ بھی ہے، حجاب بھی ہے، بانکپن بھی ہے
دنیا بہت حسین ہے مگر بدچلن بھی ہے

---

*

دوڑ تھی اپنی اک زمانے تک
میکدے سے نگار خانے تک

خواب تھا یا طِلسم کا عالم
تیرے آنے سے تیرے جانے تک

سو مراحل سے دِل گذرتا ہے
شعر کہنے سے گنگنانے تک

طائرِ سدرہ ہو کہ مرغ اسیر
کون پہنچا ہے آشیانے تک

میکدے میں مجھے نظر آیا
راستہ تیرے آستانے تک

ہم سمجھتے ہیں اِس زمانے کو
ہم جو پہنچے ہیں اس زمانے تک

دل کا دھونا ہے رات بھر رونا
صبحِ صادق کے مُسکرانے تک

بُوند دَریا میں جا گری ڈوبی
میں بھی زندَہ ہوں تجھ کو پانے تک

---

*

تری گردشِ چشمِ میگوں کا مارا
خرابات میں ڈھونڈتا ہے سہارا

یہ تیری نظر کی کرامت تھی ساقی
خدوخالِ ہستی کو میں نے اُبھارا

تیری زلفِ شبّو کے سائے میں اکثر
تخیّل کی زلفوں کو میں نے سنوارا

تیرے ساتھ ہر شام شامِ غزل تھی
ترنُّم کا طوفان، تغزُّل کا دھارا

تیری مسکراہٹ سے جلوے چرا کر
گلستانِ امکاں کو میں نے نکھارا

نہاں تھا تو اِک قطرۂ خوں یہ دِل تھا
چمن بن گیا جب ہوا آشکارا

یہ مایوسیاں ہیں کہ مجبوریاں ہیں
نہ جینے کی خواہش نہ مرنا گوارا

محبت میں ایسے بھی لمحات آئے
نہ میں نے صدا دی، نہ تم نے پکارا

کھُلا مجھ پہ یہ راز جب ناؤ ڈوبی
جہاں ناؤ ڈوبی وہیں تھا کنارا

*

آموزگارِ عظمتِ آدم رہا ہوں میں
صد شکر اس اصول پہ محکم رہا ہوں میں

روتا ہے کوئی لگتی ہے میرے جگر پہ چوٹ
زخمِ جگر کہیں بھی ہو مرہم رہا ہوں میں

دُنیا میں رہ کے طالبِ دُنیا نہیں رہا
ہر چند وجہ زینتِ عالم رہا ہوں میں

ان کی شبِ نشاط کی تطہیر کے لئے
دن بھر رہینِ گریۂ پیہم رہا ہوں میں

شہرت طلب نہیں ہوں مگر تا طلوعِ مہر
آغوشِ گل میں صورتِ شبنم رہا ہوں میں

ایسے بھی دل ہیں جن میں خلوصِ وفا نہیں
ایسے ہی دل ہیں جن میں بہت کم رہا ہوں میں

---

*

بخشی تھی اس نے مجھ کو خلافت زمین کی
اور میں ہوا اسیرِ طلسمِ توہّمات
میں بھی اُداس میرا خدا بھی اُداس ہے
پوری ہوتیں نہ میری نہ اس کی توقعات

*

تمہارے ساتھ تھا ہر لمحہ نغمۂ جبریلؑ
وہ نغمہ جس میں مُغنّی کی روح بھی تحلیل

شبِ دراز جدائی کی تیرگی میں بھی
تمہاری یاد سے روشن تھی روح کی قندیل

یہ اور بات کہ میرا وجود ہے کہ نہیں
ترا وجود ہے میرے ہی دِل کا عکسِ جمیل

مرے سجود سے ثابت ہوا وجود ترا
مرے انا کی فنا ہے ترے بقا کی دلیل

فغانِ نیم شبی ہے کہ نغمۂ داؤدؑ
اذانِ وقتِ سحر ہے کہ صورِ اسرافیلؑ

---

*

سِلسلہ معرفت کا بند ہوا
آدمی جب سے عقلمند ہوا

بے حقیقت تھا یہ دلِ ویراں
تو نے جھانکا تو ارجمند ہوا

میرا جینا نہ تھا پسند اُنہیں
میرا مرنا بھی ناپسند ہوا

کچھ نہ پوچھو کہ میں نے کیا دیکھا
ایک شعلہ تھا جو بلند ہوا

---

*

رہروِ راہِ محبت ہے ابھی منزل سے دور
منزلِ مقصود ہے آنکھوں سے اوجھل دل سے دور

ایک آندھی سے تہ و بالا ہوئے ہیں ریگ زار
محملِ لیلےٰ ہے خالی قیس ہے محمل سے دور

یا الٰہی ہو تمہارے آسماں والوں کی خیر
آدمِ خاکی نہیں ہے اب مہِ کامل سے دور

رات ہیبت ناک طوفانِ حوادث یم بہ یم
ناخدا کے ہاتھ شل ہیں، ناؤ ہے ساحل سے دور

کون کہہ سکتا تھا، ایسا وقت بھی آجائے گا
تم میری صحبت سے ناخوش میں تیری محفل سے دور

*

ضبطِ فغاں نہیں ہے مرے دسترس کی بات
جی بھر کے رو لوں یہ بھی نہیں میرے بس کی بات

آدم بوصف خاک نژادی ہے رو بہ عرش
ثابت ہوئی ہے آج یہ صدہا برس کی بات

سنتا ہے کون اہلِ نظر سے حدیثِ دل
اہلِ ہوس کو بھاتی ہے اہلِ ہوس کی بات

وہ انہماک تھا کہ میں کچھ بھی نہ سن سکا
صحنِ چمن کا حال نہ کنجِ قفس کی بات

دل نے کبھی خرد کی امامت نہ کی قبول
غنچے کو ناپسند ہوئی خار و خس کی بات

اِس دَور کا مذاق ہی بگڑا ہوا سا ہے
گویا کوئی دلیل ہے ہر بوالہوس کی بات

مایوسیوں میں تیرا تبسم تھا دلنواز
جیسے کسی طبیبِ مسیحا نفس کی بات

---

*

فلسفے نے اسے بنا ڈالا
کِتنا پیچیدہ کِس قدر مشکل
چار لفظوں میں ہے دُوروزہ حیات
یادِ ماضی، فریبِ مستقبل

*

آج پھر چھیڑی ہے تم نے میرے ارمانوں کی بات
کاوشِ زخمِ جگر کے تازہ افسانوں کی بات

اِک ادائے خاص سے ہم نے کہی تُم نے سنی
کون سنتا ہے جہاں میں ورنہ دیوانوں کی بات

زادۂ صحنِ چمن پَروردۂ آغوشِ گُل
ہم بَیابان میں بھی کہہ دیں گے گلِستانوں کی بات

تم نے میرا اور پھر میں نے تراشا بُت تیرا
اس طرح کعبے سے چل نکلی ہے بُت خانوں کی بات

شمع جلتی ہی رہی آنسو بَہاتی ہی رہی
صبح تک جلتی رہی محفِل میں پَروانوں کی بات

*

شراب پردۂ انگور میں حرام نہ تھی
نہ جانے جام میں آتے ہی کیوں حرام ہوئی

بکے تھے یوسفِ مصریؔ غلام بن کے مگر
حقیقتاً وہ زلیخا تھی جو غلام ہوئی

نسیمِ صبح نے شبنم سے کی تھی سرگوشی
یہ خاص بات خدا جانے کیسے عام ہوئی

طلوعِ صبح کی رعنائیوں سے کیا مانگیں
ابھی تو آنکھ بھی کھولی نہ تھی کہ شام ہوئی

تڑپ مزاجِ غزل ہے، اسی لئے شاید
غزل جو ہم نے لکھی حاصلِ کلام ہوئی

*

بس ایک شب تھی شبِ زندگی وہ شب گُذری
یہ ایک شب بھی فراغت کے ساتھ کب گُذری

تم آئے اور گئے یاد ہے تو اِتنا ہے
پھر اس کے بعد قیامت کب آئی، کب گُذری

تمام رات رَہا اس پہ نزع کا عالم
تمام رات رہی رات جاں بلب گُذری

خدا کا شکر کہ اِس بے ادَب زمانے میں
ہماری عمر جو گُذری وہ با ادَب گُذری

*

اِس دَور میں بھی آج کرامات ہو گئی
جب اُن سے چلتے چلتے ملاقات ہو گئی

تیری نِگاہ قبلۂ حاجات ہو گئی
بدلی ذرا تو مرگِ مفاجات ہو گئی

بے خوابیوں کے بعد ملا قبر کا سکون
اچھا ہوا، تلافیٔ مافات ہو گئی

خوابِ عَدم سے جاگنے والوں کی بے بسی
آنکھیں ہی مَل رہے تھے کہ پھر رات ہو گئی

---

*

دِل سکوں محسوس کرتا ہے کئی سالوں کے بعد
زندگی معمول پر آئی ہے ہڑتالوں کے بعد

قبر کی پہلی ہی شب کتنی نشاط انگیز تھی
خوب اطمینان تھا دنیا کے جنجالوں کے بعد

اِس زمانے کے رئیسوں کی معارف پروری
شاعروں پر بھی کرم ہوتا ہے قوّالوں کے بعد

ہر کلی میں حسن ہر گلشن حسین ہَر گل جمیل
اس چمن کا حال کیا ہو گا چمن والوں کے بعد

میرے کُل اعمال نامے سے فرشتوں کو ملیں
ایک دو خرمستیاں دس بیس ہڑتالوں کے بعد

*

اہلِ قلم ہوں، اہلِ زباں ہوں کہ اہلِ درد
لازم ہے احتیاط، زمانہ خراب ہے

فی الحال مصلحت ہے کہ ہم ملتوی کریں
فکرِ شبِ نشاط، زمانہ خراب ہے

آندھی چلی کچھ ایسی کہ یکدم اُلٹ گئی
تہذیب کی بساط، زمانہ خراب ہے

قدریں وہ جان و دل سے جو کل تک عزیز تھیں
ہیں روبہ انحطاط، زمانہ خراب ہے

*

یوں نہ سمجھ کہ بات ختم ہوئی
باتوں باتوں میں رات ختم ہوئی

عشق کی واردات باقی ہے
حسن کی کائنات ختم ہوئی

دن تھا ناپایدار بیت گیا
رات تھی بے ثبات ختم ہوئی

روز و شب کا طلسم ٹوٹ گیا
یورشِ حادثات ختم ہوئی

میں تیری ذات کو تو پا نہ سکا
ہاں میری اپنی ذات ختم ہوئی

زندگی تھی کشاکشِ دوراں
موت نے دی نجات، ختم ہوئی

---

*

اے خدا، اے خدا خبر لے لے
اپنی بستی کے حال مستوں کی

ساری دنیا پہ چھا گئی اِک قوم
لُوطیوں اور سگ پرستوں کی

*

ان دِنوں دِل کی کیفیت ہے عجیب
یادِ محبوب ہے نہ ذکرِ حبیب

گو سفر کر رہا ہوں صدیوں سے
میں غریبُ الوطن ہوں اب بھی غریب

فتح کی آرزو نہ خوفِ شکست
حق و باطل کا معرکہ ہے عجیب

جَب سے میں اپنے آپ میں نہ رہا
تب سے پاتا ہوں تجھ کو اپنے قریب

صحنِ مقتل میں آگیا مقتول
اپنے کاندھے پہ رکھ کے اپنی صلیب

دِن ڈھلا اور بڑھ گئے سائے
اپنا سایہ بھی لگ رہا ہے مہیب

پڑ گئی ہے کہیں جبیں پہ شکن
نظمِ عالم ہوا ہے بے ترتیب

اِتفاقاً ملے وہ برسرِ راہ
اِک ملاقات تھی بلا تقریب

گوشہ گوشہ ہے مطلعِ انوار
بزمِ جاناں میں کون کس کا رقیب

*

گل بداماں گل بکف گل پیرہن کب آئیگا
وہ سراپا رونقِ صحنِ چمن کب آئے گا

انجمن کی انجمن سونی پڑی ہے ہر طرف
سوچتا ہوں وہ فروغِ انجمن کب آئے گا

ہم مصوّر بھی ہیں شاعر بھی ہیں دانشور بھی ہیں
کوئی بتلا دو ہمیں جینے کا فن کب آئے گا

زندگانی ہے قصیدہ یا رجز یا مرثیہ
دوستو! اس میں غزل کا بانکپن کب آئیگا

بن رہا ہے تانا بانا اِک نئی تہذیب کا
اِس میں حُسن صورت گنگ و جمن کب آئیگا

آدمی کرنے لگے گا احترامِ آدمی
ہاتھ یہ سرمایۂ عہدِ کہن کب آئے گا

جب انا الحق کہنے والے لوگ ہی رخصت ہوئے
پھر زباں پر قصۂ دار و رسن کب آئے گا

---

*

موت کا جب نام سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں لوگ
تم نے دیکھا، ہم نے دیکھا پھر بھی مر جاتے ہیں لوگ

اَب تو دن گھٹنے لگا، سائے بھی لمبے ہو گئے
ہم بھی گھر جائیں گے اپنے اپنے گھر جاتے ہیں لوگ

کوئی افسانہ سُنا الفاظ کا جادو جگا
کام کی باتیں نہ کر اِس سے بچھڑ جاتے ہیں لوگ

ایک جانِ ناتواں اور اِتنے سارے مرحلے
اِتنے سارے مرحلوں سے بھی گذر جاتے ہیں لوگ

سرزمینِ دل بھی ہوتی کاش جولاں گاہِ عشق
زہرہ و مریخ پر یوں تو اتر جاتے ہیں لوگ

حق سے ناوابستگی کے باوجود اِس شہر میں
کیوں انا الحق کہتے اور بے موت مَر جاتے ہیں لوگ

---

*

آپ کے دَر کی خاک کا ذرّہ
سرمۂ دیدۂ اُولو الابصار
آپؐ کا نام روح کا آرام
آپؐ کی ذات مرکزِ ادوار

*

اِس سے پہلے وہ پشیماں نہ ہوا تھا، سو ہوا
میں بھی شرمندۂ احساں نہ ہوا تھا، سو ہوا

آج اک رشکِ بہاراں سے ملاقات ہوئی
میں بھی مدّت سے غزل خواں نہ ہوا تھا، سو ہوا

آج کیا بات ہے یہ غایتِ الطاف و کرم
میں کبھی اِتنا ہراساں نہ ہوا تھا، سو ہوا

آدمی مارگزیدہ نہیں آدم خور ہے
اِتنا غارت گرِ ایماں نہ ہوا تھا، سو ہوا

دِل میں اک رنج تھا مدّت سے بڑی مدّت سے
مِثلِ خورشیدِ درخشاں نہ ہوا تھا، سو ہوا

جاں دی میں نے ترے قدموں پر میرا سر تھا
آخرت کا کوئی ساماں نہ ہوا تھا، سو ہوا

*

پرتوِ عارضِ محمدؐ سے
ذرّہ ذرّہ ہے مطلعِ انوار
سینۂ صاف مہبطِ جبرئیل
معدنِ نور، مخزنِ اسرار

*

خزاں کی رُت میں چناروں سے بات کرتا ہوں
نظر فریب نظاروں سے بات کرتا ہوں

زمیں پہ مونس و ہمدم کوئی نہیں مِلتا
فلک پہ جا کے سِتاروں سے بات کرتا ہوں

زبان مُنہ میں نہیں ہاتھ میں قلم بھی نہیں
اِسی لئے میں اِشاروں سے بات کرتا ہوں

میں چاہتا ہوں کہ یہ بحر، بے کراں ہو جائے
سمندروں کے کناروں سے بات کرتا ہوں

لہو لہو ہے جگر، داغ داغ ہے سینہ
خزاں گزیدہ بہاروں سے بات کرتا ہوں

*

آپ کی ہم سے ملاقات، خدا خیر کرے
کیا بدلنے لگے حالات، خدا خیر کرے

ایک تشویش سی لاحق ہے بڑی مدت سے
دل نہیں موردِ آفات، خدا خیر کرے

عشق والوں سے نہیں نام کے دیوانوں سے
کھا گئے اہلِ خرد مات، خدا خیر کرے

ابنِ آدم کو وراثت میں ملی ہے شاید
یہ فسادات کی سوغات، خدا خیر کرے

کون سا گوشہ ہے دھرتی کا جہاں آج نہیں
رقص میں مرگِ مفاجات، خدا خیر کرے

پھر وہی غل، وہی ہنگامہ، وہی دن ہوگا
پھر بسر ہونے لگی رات، خدا خیر کرے

جن کو معلوم نہیں بندہ نوازی کیا ہے
بن گئے قبلۂ حاجات، خدا خیر کرے

گوشۂ فقر میں بیٹھا ہوں نہ آقا نہ غلام
ہو رہی ہے بسر اوقات، خدا خیر کرے

---

*

الزام تھا کہ میں نے وفا کی ہے اور مجھے
اقبالِ جرم کر کے ندامت نہیں ہوئی

انسان بنے گی آدم و حوّا کی ذُرّیت
ہم منتظر رہے، یہ کرامت نہیں ہوئی

گو ساری عمر کرتے رہے کاروبارِ شوق
ظاہر کسی پہ کوئی علامت نہیں ہوئی

محشر میں اجتماعِ خلایق تھا، تم نہ تھے
محشر بپا ہوا پہ قیامت نہیں ہوئی

*

ظفر یابی سے خوشدل تھے کہ بے نیلِ مرام آئے
خدا کا شکر ہے ہر حال میں ہم شاد کام آئے

ہزاروں مرحلے ہیں رہ نوردانِ محبت کو
کہیں دارُالصنم آئے، کہیں بیتُ الحرام آئے

نہ محفل ہے نہ میخانہ، نہ ساقی ہے نہ پیمانہ
جو تو آئے تو مے آئے، جو مے آئے تو جام آئے

میری ڈوبی ہوئی نبضیں مری اُکھڑی ہوئی سانسیں
سنبھالا لے کے جی اٹھیں اگر تیرا پیام آئے

یہ اِستغراق و محوّیت کے عالم کا تقاضا ہے
کسی کا نام لینا ہو تو لب پہ تیرا نام آئے

زمانہ بھی نیا ہو، اور دنیا بھی نئی جس میں
نہ دِن آئے نہ رات آئے نہ صبح آئے نہ شام آئے

خلوص معصیت بہتر ہے مکّارانہ طاعت ہے
یہ پندِ پیرِ دانا یاد رکھ ممکن ہے کام آئے

---

*

شامِ فراق آئی اور آکر ٹھہر گئی
جانے کو کہہ گئی تھی مگر اب مُکر گئی

اِک پیکرِ جمال کے جلوے کے فیض سے
تھا سیل رنگ و نور جہاں تک نظر گئی

کیا رات تھی کہ جب تری یادوں کی روشنی
میرے غریب خانے میں آکر بکھر گئی

پوچھا تھا تم نے حال میں کہنے لگا تھا کچھ
افسوس لڑکھڑائی زباں آنکھ بھر گئی

تھا مدعائے زیست تمنا کی پرورش
اب کیا جئیں کہ دِل میں تمنا ہی مر گئی

---

*

کون کہتا ہے کہ تُو مجھ سے خفا ہو کر گیا
میں نے جب جھانکا ہے اپنے دل میں تو موجود تھا

ہر گدھے کے آگے جھک جاتا ہے شرماتا نہیں
ابنِ آدم جو فرشتوں کا کبھی مسجود تھا

میں بڑی مشکل سے بچ نکلا ہوں اپنے شہر سے
ہر گلی محصور تھی، ہر راستہ مسدوُد تھا

باپ بیٹے سے جدا تھا، باپ سے بیٹے الگ
لب پہ وردِ یا الٰہی عاقبت محمود تھا

*

عمر ساری کٹ گئی سود و زیاں کے پھیر میں
اَب حقیقت سامنے آئی یہ سَب بے سود تھا

ایک ہنگامہ تو تھا، اَب کِس کو اِتنا ہوش ہے
صورِ اسرافیلؑ تھا یا نغمۂ داؤدؑ تھا

نورِ مطلق جب مقید ہو گیا "من" بن گیا
پھر من و تو کا نتیجہ شاہد و مشہود تھا

گو شہود و شاہد و مشہود تینوں ایک تھے
میں تیرا مجبور بندہ، تو میرا معبود تھا

اِک حقیقت سامنے آئی مگر مدّت کے بعد
بھیس ابراہیمؑ کا بدلے ہوئے نمرود تھا

*

اگر خرد کی ہدایت پہ آج کا انسان
خدا سے دُور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

میں تیرا عکس ہوں مجھ سے اگر کبھی سرزد
کوئی قصور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

تلاشِ منزلِ جاناں میں بے خبر راہی
تھکن سے چور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

ہمارے حق میں ترے حسنِ ظن کا اندازہ
غلط ضرور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

ترے کلیم کے ہوتے ہوئے بھی مہبطِ نور
درخت طور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

مرے وجود میں آتے ہی ذوقِ عصیاں کا
اگر ظہور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

مِلا ہے مجھکو وراثت میں اور مجھ سے گناہ
مرے حضور ہوا ہے، قصور کس کا ہے

*

مرا حال تو جانتا ہے کماہی کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں
کرم کر مرے حال پر یا الٰہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

اب اُکتا گیا ہوں اب اُکتا گیا ہوں، بڑی دیر سے دیکھتا آرہا ہوں
یہ دِن کا اُجالا، یہ شب کی سیاہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

یہ دنیا تیری خوبصورت ہے لیکن، وفاؤں سے عاری، جفاؤں سے بھاری
ہر اک شے مسافر ہر اک چیز راہی کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

یہی ایک نغمہ ہے سب کے لبوں پر یہی راگ گاتی ہے مخلوقِ عالم
ترے چاند تارے ترے مرغ و ماہی کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

مری روح کا کرب ڈستا ہے مجھکو، تری اِک نظر کا طلب گار ہوں میں
نہ دنیا کی دولت نہ عالم پناہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

نہ اَب نیم شب کی دُعاؤں میں رِقّت، نہ ذوقِ حضوری نہ احساسِ دُوری
نہ اَب لذّتِ نالۂ صبحگاہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

مجھے اس اذیت سے آزاد کر دے نیا ولولہ دے، نئی زندگی دے
نئی زندگی کی نئی سربراہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

برسوں برس کی مسافت کو میں نے فقط چند لمحوں میں طے کر لیا ہے
مرا ہر رُواں دے رہا ہے گواہی، کہ میں تھک گیا ہوں بہت تھک گیا ہوں

*

تسوید ہو رہی تھی خمِ زلف یار کی
تصویر کھنچ گئی شبِ تارِ بہار کی

اِتنا تو ہو گیا کہ ہوئے وہ بھی بے قرار
رُوداد سُنتے سُنتے دلِ بیقرار کی

شیرینیٔ وِصال مُسلّم ! مگر ندیم !
تلخیٔ لطیف تر تھی شبِ انتظار کی

کل کہہ رہا تھا پیرِ مُغاں بادہ خوار سے
دُنیائے اعتبار نہیں اعتبار کی

اَب بھی کبھی کبھی نظر آتی ہے خواب میں
تصویر اس عزیز تغافُل شعار کی

سَرمایۂ نشاط نہیں حُسنِ بے ثبات
جی چاہتا ہے شکل نہ دیکھوں بہار کی

---

*

سر کو جُنبش سی ہوئی چہرے سے زلفیں ہٹ گئیں
شام نے اِک جُھرجُھری سی لی، سویرا ہوگیا

دُور تا حدِّ نظر میری نظر تھی ہمرکاب
لوٹ کیا آئی، اجالے میں اندھیرا ہوگیا

جادۂ اُلفت میں منزل کا تعیّن کیا کریں
جب مُسافر ہار کر بیٹھا، بسیرا ہوگیا

اِک نگاہِ ناز نے جھگڑے چُکا ڈالے تمام
میں بھی تیرا ہوگیا میرا بھی تیرا ہوگیا

*

آیا تھا مسلسل غم و اندوہ سے گھر یاد
وحشت میں مگر کس کو رہا وقتِ سفر یاد

پھر بے خودیٔ شوق میں ہیں ہوش و خرد گُم
ہر بات فراموش، نہ دیوار نہ در یاد

گو کوششِ پیہم سے فراموش ہوئی ہے
آتی ہے وہی بات بہ اندازِ دگر یاد

میثاقِ محبّت پہ نہ اِترا دلِ ناداں!
ماضی کی مدارات، گئی بات نہ کر یاد

*

جو کبھی خوشی کو نہ پا سکا، میں اُسی کے دِل کا مَلال ہُوں
جو نکل سکا نہ دِماغ سے، میں وہ زنگ خوردہ خیال ہُوں

جو کسی کا دِل نہ لُبھا سکا، میں وہ تلخ و تند جواب ہُوں
جو کبھی زباں نہ ہلا سکا، میں اُسی کا حرفِ سَوال ہُوں

میں تلاشِ حق میں کہاں پھِروُں، کہ خُدا کا گھر مرے دِل میں ہے
میں طوافِ کعبہ کہاں کروں، کہ میں خود حریمِ وِصَال ہوں

میری زندگی کے اصُول میں یہی مقتضائے حیَات ہے
کہیں دردِ دِل کا علاج ہوں، کہیں بے نوا کا منال ہُوں

---

*

ترے افلاک کی وُسعت کو میں خاطِر میں کیا لاؤں
کہ میرا دِل بھی دیوانہ ہے، مری فِطرت بھی دیوانی

چمکتا ہے، لکھا ہے جسکی قِسمت میں چمک اُٹھنا
نمایاں پردۂ شب میں بھی ہے تاروں کی تابانی

اگر واقف نہیں ہے خانہ ویرانی کی لذّت سے
تو آ کر سیکھ لے ہم سے ہُما آدابِ ویرانی

کبھی اِتنا بھی پوچھا تو نے اے محوِ خود آرائیؔ
کہ میں نے کیوں کیا زیبِ بدن ملبوسِ عریانی

مری برگشتہ بختی کا تماشا دیکھنے والے!
تجھے اے کاش داتا دے مرا ذوقِ تن آسانی

چمن ہو، فصلِ گل ہو، ابر ہو، ساقی ہو، بادہ ہو
مرے پہلو میں تو بھی ہو تو پھر دنیا نہیں فانی

نہیں ہے میری قسمت میں اگر دولت تو کیا غم ہے
مرے داتا نے بخشا ہے مجھے گنجِ سخن دانی

---

*

اس شوخ کو کیا دیکھا آنکھوں میں سمٹ آئی
شیراز کی شادابی، کشمیر کی رعنائی

رہ رہ کے مرے دل میں اک درد سا اٹھتا ہے
آ اپنے لبوں سے دے پیغامِ مسیحائی

ہر شے کی حضوری میں جھکوا دیا سر میرا
اے ذوقِ جبیں سائی! اے لذّتِ رسوائی

شرمندۂ الفت ہوں، رسوائے محبّت ہوں
دامن میں چھپا مجھ کو اے گوشۂ تنہائی

سوکھا ہوا سبزہ ہوں گلزارِ محبّت کا
کب سایہ فگن ہوگا وہ سروِ دلآرائی

---

*

بدن مرتعش روح میں سنسنی ہے
اجل کے فرشتو! یہی جاں کنی ہے

مجھے بے طلب زندگی دینے والے!
یہ احسان تیرا نہیں، دشمنی ہے

یہاں چارہ گر سوچتا ہے مداوا
وہاں درد و درماں میں باہم ٹھنی ہے

بگڑتی ہے بن بن کے قسمت ہماری
نہ کل تک بنے گی نہ اب تک بنی ہے

وہاں زاہدِ خشک کو کیا ملے گا؟
سزاوارِ رحمت تو تر دامنی ہے

مجھے تم سے یارب شکایت یہی ہے
یہاں فقر کے بھیس میں رہزنی ہے

کہاں میں کہاں نغمۂ زندگانی
مرے روپ میں جلوہ فرما غنی ہے

*

کاش! یہ نکتہ سمجھ جائیں جوانانِ عزیز
جب گئی عزّت تو پھر بیجان ہے جانِ عزیز

اِتنی بدنامی نہ ہو جاتی زلیخا کی، اگر
چاک اُس نے کر لیا ہوتا گریبانِ عزیز

مرے ہونٹوں پر نہیں تبخالہ ہائے سوزِ غم
لب پہ آ کر خیمہ زن ہے لشکرِ جانِ عزیز

ماہِ کنعاں مُردمِ چشمِ زلیخا ہو تو ہو
بن نہیں سکتا مگر شمعِ شبستانِ عزیز

میں ابھی آنکھیں ہی ملتا ہوں خمارِ خواب سے
منزلِ مقصود پر پہنچے بھی یارانِ عزیز

*

زندگانی تشنۂ تکمیل ہے تیرے بغیر
دُرّ خزف ریزہ، ہُما اِک چیل ہے تیرے بغیر

اِس طرح وابستہ ہوں تجھ سے کہ میری موت کو
جان لینے میں بھی قال و قیل ہے تیرے بغیر

باغ میں میرے لئے سامانِ دلچسپی ہے کیا
صوتِ بُلبل، صُورِ اسرافیل ہے تیرے بغیر

میری ہمّت کی رسائی کیا تمہارے ہجر میں
پرِ شکستہ جانورِ جبرئیل ہے تیرے بغیر

شامِ غم کی ظلمتوں میں دیکھ اے شمعِ حیات
زندگی خاموش سی قندیل ہے تیرے بغیر

*

دِل کسی کی زلفِ پیچاں میں حمایل ہوگیا
طایرِ آزاد پابندِ سلاسل ہوگیا

کشمکش کی زندگی میں گومگو کی احتیاط
آدمی مَر مَر کے ہی جینے کے قابل ہوگیا

آگ کی حِدّت، خلش کانٹے کی، پارے کی تڑپ
یہ مرکّب جب ہُوا پہلو نشیں دل ہوگیا

بخت نافرجام، زلفِ یار، شبہائے بہار
اِن کا جوہر حل ہُوا باہم ترا تِل ہوگیا

باوجود سخت جانی اے نگاہِ نازِ یار
تیرے تیرِ نیم کش کا میں بھی گھائل ہوگیا

*

گوشت کا ٹکڑا ہے جس دل کی خلش کامِل نہیں
درد کی جس دل میں گنجائش نہیں، وہ دل نہیں

اے دِلِ اندوہ گیں! تو نے مجھے عاجز کیا
میرے پہلو سے نِکل جا تو مرے قابل نہیں

طُور پر کیا چیز دیکھی تھی کلیم اللہؑ نے
اسطرح بیہوش ہوجانے کے ہم قایل نہیں

کاش! ایسے روز آجائیں پلٹ کر بار بار
فکرِ فردا عشرتِ امروز میں شامل نہیں

رات دہشت ناک، طوفانِ حوادث یم بہ یم
فطرتِ بے باک کو اندیشۂ ساحل نہیں

میں شریکِ محفلِ احباب ہو سکتا نہیں
زینتِ محفل اگر وہ رونقِ محفل نہیں

موردِ لعنت کیا ہے تو نے کیوں ابلیس کو
وہ تو آدم کی طرح ظالم نہیں جاہل نہیں

---

*

اب کس کو یقیں آئے جو چیز ہے فانی ہے
پیغام محبت ہے اور اُن کی زبانی ہے

دو روز کے جینے میں برسوں کی جگرکاوی
ناکام جوانی کی یہ رام کہانی ہے

اِک بار مجھے گھورا اُس مستِ ترنم نے
اُس دِن سے طبیعت میں دریا کی روانی ہے

واعظ! نہ ستا مجھ کو، مجبور نہ کر مجھ کو
تھوڑی سی میں پی لوں گا تم سمجھو کہ پانی ہے

لے دے کے مرے بس میں اِک درد بھرا دل تھا
محفوظ اسے رکھنا، یہ میری نشانی ہے

*

ساقی کی مست آنکھیں خم خانہ زندگی کا
چشمِ سیہ کی گردش پیمانہ زندگی کا

جل کر ہوئی ہے مٹی، محفل میں شمعِ محفل
پروانہ لے کے نکلا، پروانہ زندگی کا

افکارِ زندگی کا شیرازہ منتشر ہے
اب تک ہے نامکمّل افسانہ زندگی کا

دو دن کی زندگانی، سو سال کے ارادے
دیوانہ ہوگیا ہے، دیوانہ زندگی کا

*

محبوب کے ہونٹوں پر سیلابِ تبسّم ہے
یا نور کے دریا کی موجوں میں تلاطم ہے

اب خوب گذرتی ہے انجام خدا جانے
ہر سانس میں نغمہ ہے ہر لَے میں ترنّم ہے

دل ڈٹ کے مقابل ہے آلام مصائب سے
گویا کہ چٹانوں سے لہروں کا تصادم ہے

دنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیاد تکلم ہے

جب جنّتِ ارضی میں آرام نہیں ملتا
پھر خلدِ بریں کیا ہے، واعظ کا توہّم ہے

*

محبت زندگی اور زندگی غم ہوتی جاتی ہے
خوشی تحلیل ہوکر غم میں مدغم ہوتی جاتی ہے

کسی کی دل نشیں تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے
اجل نزدیک، شمعِ زیست مدہم ہوتی جاتی ہے

وہ دعوے کیا ہوئے اُن سے نہ بولیں گے نہ چاہیں گے
یہ گردن سامنا ہوتے ہی کیوں خم ہوتی جاتی ہے

مثل مشہور ہے ہر دَور کا درماں زمانہ ہے
خلش موجود رہتی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے

---

*

ہم اپنے گھر کو آگ لگا کر چلے گئے
احباب آئے سوگ منا کر چلے گئے

سوتے میں روئے ناز دکھا کر چلے گئے
سویا ہوا نصیب جگا کر چلے گئے

محشر خرامیوں میں کسی کی نہاں ہے حشر
چلتے بنے کہ حشر بپا کر چلے گئے

رگ رگ میں کر چکے وہ سرایت برنگِ خون
آنکھوں کی پتلیوں میں سما کر چلے گئے

یوسف جمال ہو کہ زلیخا مثال ہو
دونوں کو ہم سلام بجا کر چلے گئے

*

کسی کی یاد سے روشن ہے میرے دل کا کاشانہ
کبھی بجلی چمکتی ہے، کبھی جلتا ہے پروانہ

مری مایوسیوں میں بس رہی ہے آس کی دنیا
مری دیوانگی سے بہرہ ور ہوتا ہے فرزانہ

تمہارا راز بھی تیری طرح خلوت نشیں نکلا
جبھی اس کو پسند آیا مرے دل کا نہاں خانہ

کبھی کے مر چکے ہیں زندگی کا منہ چڑاتے ہیں
نہ ساقی ہے نہ پیمانہ، نہ محفل ہے نہ میخانہ

جوابِ خط ذرا تفصیل سے لکھنے لگا ہوں میں
بہت دلچسپ ہے سن لو مرا پُر درد افسانہ

وہ آئی مسکراہٹ میرے بے رونق سے چہرے پر
وہ گورستاں پہ چمکا چودھویں کا چاند مستانہ

---

*

کام کس وقت کریں گے وہ دلآرائی کا
ان کو چھوڑے بھی کبھی خبطِ خود آرائی کا

آبرو باختگاں میں مری عزت ہے بڑی
ان کو چھوڑوں گا تو اندیشہ ہے رسوائی کا

موت کو تو نے دیا درسِ صبا رفتاری
گلہ اے عمر! نہ کر اسکی سبک پائی کا

شغلِ مے چھوٹ گیا، بزمِ احبا ٹوٹی
ہم نے بھی ترک کیا شغل جبیں سائی کا

ہم فقیروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
آؤ، ہم عزم کریں بادیہ پیمائی کا

*

بہار آئی ہوئی تھی صحنِ گلشن عنبر افشاں تھا
قفس کی چار دیواری نہایت سخت جاں نکلی

خیال آیا تھا اپنا دل کسی کی نذر کر دیں گے
مگر دیکھا تو تیری یاد اسکی پاسباں نکلی

گنہ سمجھا گیا اس پر بہانا چار آنسو کا
مرے دل کی تمنا کس قدر بے خانماں نکلی

میں سمجھا تھا کہ بلبل عشقِ گل میں جان دیتی ہے
مگر یہ بھی ہماری حسرتوں کی نوحہ خواں نکلی

میں اپنی ہمتِ مردانہ کا ممنونِ احساں ہوں
رہی پیرِ خرد کی ہم نشیں پھر بھی جواں نکلی

میں اسکی جستجو کرتا رہا مٹی کے تودوں میں
تخیّل کی بلندی محوِ سیرِ لامکاں نکلی

---

*

کل رات یہ کانا پھوسی تھی آکاش پہ باہم تاروں میں
بیداریٔ شب کی لذّت کا چرچا نہیں دُنیاداروں میں

وہ گھور اندھیرا کیا جانے، وہ ہنستا سویرا کیا جانے
جو آٹھ پہر کرتا رہتا ہے اللہ اللہ غاروں میں

میں موت کے نغمے سُن سُن کر اس ساز سے گھبرا اٹھتا ہوں
کیا زہر بھرا ہے مطرب نے اس ساز کے ٹوٹے تاروں میں

فغفور کی خاقانی نہ رہی، پرویز کی سُلطانی نہ رہی
فرہاد کی نادانی سے مچی افراتفری درباروں میں

---

*

زندگی کے قمار خانے میں
کون جیتا ہے کون ہارا ہے؟

موت دیتی ہے کشمکش سے نجات
موت مجبور کا سہارا ہے

اس دہکتے غدار پر آنسو
شفقِ شام میں ستارا ہے

اُن کی چوکھٹ مِری جبینِ نیاز
اس تجارت میں کیا خسارا ہے

جِتنے چاہو مجھے کچوکے دو
دِل نہیں دوست! سنگِ خارا ہے

---

*

پھر ہوئی ہے مشک افشاں زلف لیلائے بہار
اس تعلّق سے دل مجنوں ہے شیدائے بہار

ہر چمن میں حسن، گل میں حسن، خار و خس میں حسن
حسن کی فرمانروائی ہے تقاضائے بہار

ہر دم جاں بخش ہے صحن گلستاں میں مسیح
ہر کلی کا نور پنہاں طورِ سینائے بہار

نغمۂ فردوس ہے یا صوت دُرّاج و ہزار
حُور کی تصویر ہے یا روئے زیبائے بہار

بن کے فردوس نظر آتی ہے سب کے سامنے
وہ صنوبر قد سمن اندام سلمائے بہار

جس نے اس جانِ بہاراں کو کبھی دیکھا نہ ہو
کیا سمجھ سکتا ہے کیا شے ہے تمنّائے بہار

زلف شبو کی مہک سے پھر مہک اٹھا چمن
چہرۂ زیبا سے چمکا ماہ سیمائے بہار

گلبدن گل پیرہن گلشن شمایل ، گلعذار
دیکھ اسکو دیکھنا ہے گر سراپائے بہار

عرش سے ہے فرش تک سیلاب رنگ و نور کا
دل میں نغموں کا تلاطم سر میں سودائے بہار

کشمیر

۱

ہر لحظہ نیا طور ، نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے تجھکو عطا دیدۂ بینا

ہے جلوۂ گُل جلوۂ انوارِ الٰہی
یہ وادیٔ کشمیر ہے یا وادیٔ سینا

یہ برف یہ کہسار یہ وادی یہ مناظر
چاندی کی انگوٹھی میں زمرّد کا نگینہ

اَرژنگ کی گُلرنگ بہاروں کا مرقع
یہ مانی و بہزاد کی صنعت کا خزینہ

یہ لالۂ گلفام ہے یا جامِ لبالب
یہ نرگسِ مخمور ہے یا ساغر و مینا

یہ برگِ گل و لالہ پہ شبنم ہے کہ جس سے
حوروں کی جبیں پر ہے ندامت کا پسینہ

شاعر کے حسیں خواب کی تعبیر ہے کشمیر
پرکار مصوّر کے تخیّل کی حسینہ

اے نورِ نظر! دیکھ کہ منظورِ نظر ہے
پھاگن کا مہینہ ہو کہ ساون کا مہینہ

اے زاہدِ بد ذوق اسی خاک میں مر جا
اس خاک میں مرنا بھی ہے فردوس میں جینا

وہ گوہرِ نایاب ہیں اس خاک میں جن سے
کم مایہ و ناچیز ہے کسریٰ کا دفینہ

خاموش پرستار ہوں میں حسنِ ازل کا
اے جنبشِ لب! دل کا اُلٹتا ہے سفینہ

آمدِ بہار

چشمۂ کم آب کو قلزم کی ارزانی ملی
قدِّ آدم آبشاروں کو درخشانی ملی

پڑ گیا سنجاب کا پردہ بساطِ خاک پر
پھر زمیں ہونے لگی ہے خندہ زن افلاک پر

قلۂ کہسار سرتاپا جمیل و برف پوش
دامنِ کہسار پُرگُل اور ہوا ریحاں فروش

ہر قدم پر لالہ و گُل سے نگاہیں کامیاب
سنبل و ریحاں امینِ شوخیٔ عہدِ شباب

گُلستانوں میں سمٹ آئی ہے ساری کائنات
ذرّہ ذرّہ میں نُمایاں ہیں علاماتِ حیات

باغ کی مہکی فضا میں ماہ پاروں کا ہجوم
یہ نجومِ آسمانِ حُسن وہ ارضُ النجّوم

وہ کہ جنکی دید سے ذوقِ تماشا مست ہے
رُوح کو آسودگی ہے چشمِ بینا مست ہے

وہ کہ جن کے دم سے تاباں ہے حیاتِ مُستعار
وہ کہ جن کی ذات سے قائم ہے فطرت کا وقار

یہ ادائیں ناز پرور یہ ہوائیں عطر بیز
کاش! اس دلکش سماں میں وہ بھی ہوتے جلوہ ریز

دلوالہ

ٹھنڈے ٹھنڈے دل ہیں انکے گویا برف کی قاشیں ہیں
اُجلی اُجلی پوشاکوں میں چلتی پھرتی لاشیں ہیں

ذوقِ نظر سے خالی خالی، عشق سے کالے کوسوں دُور
ان کی یہ بیزار نگاہیں یاس بھری غم سے بھرپور

کھوٹ دلوں میں جھوٹ لبوں پر قول سے انکے فعل جُدا
صبح کو یزداں، شام کو شیطان، رات سے دن کے فعل جُدا

سینوں میں بیمار ارادے، آنکھوں میں بے سوز نظر
اُجڑی اُجڑی دُنیا ان کی لعنت ایسی دُنیا پر

خورد و کلاں کو پیٹ کا دھندا چاروں جانب فکرِ معاش
قوم کا نصب العین ہے روٹی، مذہب ہے روٹی کا تلاش

پست ارادے انکے دلوں کے سُست عزائم سینوں کے
چیلوں سے بھی پست نظر ہیں لختِ جگر شاہینوں کے

راتیں کالی کالی، دن بھی کالا کالا ہوتا ہے
کوئی اور ہی دُنیا ہوگی جس میں اُجالا ہوتا ہے

خون خرابہ، دھینگا مشتی، دھکم دھکا چیخم دھاڑ
اس کو لتاڑا، اُس کو پچھاڑا، مجھ سے لڑائی، تجھ سے بگاڑ

بغض و عداوت، رشک و رقابت، آپا دھاپی، چیخ پکار
ابلیسوں کے چیلے چانٹے، شیطانوں کے برخوردار

مُغالطہ

دوست کو دشمن، عدو کو رازداں سمجھا تھا میں
رہزنِ عقل و خرد کو پاسباں سمجھا تھا میں

چار دیواری قفس کی تیرہ و تاریک و تار
اپنی نادانی سے جس کو آشیاں سمجھا تھا میں

زندگی ثابت ہوئی مرگِ مسلسل وقتِ نزع
اسکو پہلے ہی سمجھنا تھا کہاں سمجھا تھا میں

رو پڑی مرگِ تمنّا پر یہ ساری کائنات
جس کو اپنے زعم میں بے خانماں سمجھتا تھا میں

بند آنکھیں ہوگئیں یک لخت آنکھیں کھل گئیں
زندگی تھی جس کو مرگِ ناگہاں سمجھا تھا میں

طالب و مطلوب میں حائل تھی دیوارِ وجود
موت تھی جس کو حیاتِ جاوداں سمجھا تھا میں

عقل دُور اندیش ثابت ہوگئی کوتہ نظر
نفع کو نقصان، حقیقت کو گماں سمجھا تھا میں

عِلم نے مجھکو حقیقت سے کیا نا آشنا
ایک رہزن کو امیرِ کارواں سمجھا تھا میں

اِک اشارے میں سُجھا دیتی ہیں اسرار و رموز
وہ نگاہیں جن کو بالکل بے زباں سمجھا تھا میں

الغرض! میرا تصوّر سب غلط ثابت ہوا
اور میں سمجھا غلط تھا، جب غلط ثابت ہوا

تمنّا

خدائے پاک جو مرتوں کو جان دیتا ہے
جو طالبِ زر و ثروت کو شان دیتا ہے

اسیرِ غم کو جو غم سے خلاص کرتا ہے
جو ایک عام کو دم بھر میں خاص کرتا ہے

جو رزق دیتا ہے اور بے حساب دیتا ہے
لہو کو گرمیِ عہدِ شباب دیتا ہے

اگر وہ مجھ سے رضامند ہو کے فرمائے
کہ مجھ سے مانگ لے تیرے جی میں جو آئے

میرا اپنے دل کی تمنّا بیاں کر لوں گا
دلِ ستم زدہ کو شادماں کر لوں گا

دُعا نہیں کہ مجھے عمرِ جاودانی دے
بس ایک بات کہ کھوئی ہوئی جوانی دے

سیّد ضمیر جعفری

(مُلاقاتِ اوّل کے تاثُّرات)

وہ دلپذیر متانت کا رنگ باتوں میں
وہ دِل نواز ادابے درنگ باتوں میں

تکلُّفات سے برتر، تصنُّعات سے دُور
جہانِ مہر و وفا، کائناتِ ذوق و شعور

ترا کلام فرشتوں کے نغمہ ہائے لطیف
وہ تیری طرزِ اَدا، مطربِ فلک بھی خفیف

کہیں شباب کا' اندھے شباب کا' طوفاں
کہیں دیہات کا' سادہ دیہات کا' روماں

کہیں وطن کا ترانہ   زبورِ آزادی
کہیں غریب کی غربت کا نقشِ فریادی

وہ چند لمحے جو یک جا تھے ہم، نہ بھولوں گا
وہ چند لمحے، خدا کی قسم، نہ بھولوں گا

ایک ترجمہ

چاند

(شیلے کی ایک نظم کا آزاد ترجمہ)

دردَ سے پیلی پڑی اِک پیکرِ حسن و شباب
جس کے دِل میں شعلہ پرور ہے جنوں کا اِلتہاب
پھر رہی ہے منہ پہ ڈالے پتلے ململ کا نقاب
شدّتِ آزار سے کمرے میں رہنا ہے عذاب
اسطرح دھندلے اُفق سے بڑھ چلا ہے ماہتاب

آسماں کی رہ نوردی سے تجھے اِنکار ہے
یا زمیں پر دیکھتے رہنا تجھے دشوار ہے
صحبتِ ناجنس ہے انجم سے ملنا عار ہے
یا وفا کی جُستجو میں زار ہے بیمار ہے
زردیٔ رُخ سے ہُویدا کچھ نہ کچھ آزار ہے

گڈریے کا گیت

جب چاند چمکتا ہے خاموش فضاؤں میں
جب جان سی پڑتی ہے افسردہ ہواؤں میں

جب خلقِ خدا غافل سو جاتی ہے گاؤں میں
میں گھاس پہ سوتا ہوں دیوار کی چھاؤں میں

یہ تان اُڑاتا ہُوں بنسی کی صداؤں میں
بے فکر نہیں کوئی مجھ سا بھی زمانے میں

میں دولتِ تسکین بھی رکھتا ہوں خزانے میں
لذت سی میں پاتا ہوں ریوڑ کو چرانے میں

بے لوث تخیّل ہے فطرت کے فسانے میں
یہ بات کہاں حاصل دولت کے گھرانے میں

شاہوں کو مبارک ہو آئینِ جہانبانی
ہو طالبِ دولت کو دولت کی فراوانی

آرام کے خوگر کو حاصل ہو تن آسانی
اور رندو مسلماں کو رندی و مسلمانی

میں اور مرا ریوڑ اور اسکی نگہبانی
شہروں کی فضاؤں میں ہے ذوقِ سیہ کاری

ظاہر ہیں سبکدوشی باطن میں گراں باری
تکمیلِ تمدّن ہے معراجِ جفاکاری

دولت کی سرفرازی غربت کی نگونساری
لیکن مرا مسلک ہے تہذیب و وفاداری

مزارِ دوست

آج سے ۲ دو سال پہلے تو مری محفل میں تھا
موج زن اک بحرِ احساسات میرے دل میں تھا

چاندنی چھٹکی ہوئی تھی دِل میں اطمینان تھا
آسماں واقف نہ تھا، تو تھا، مرا ایمان تھا

فرشِ مخمل پر میں لیٹا تھا تمہارے سامنے
یک بیک تجھ کو اُڑایا گردشِ ایام نے

آج بھی باغوں میں ہے طوفان موج و رنگ و بو
جسم میں بڑھتا ہے جس کو دیکھ کر سیروں لہو

آج بھی کلیوں سے کرتی ہیں ہوائیں چھیڑ چھاڑ
آج بھی سیماب کے چشمے اُگلتے ہیں پہاڑ

چاند کرتا ہے فلک پر آج بھی ضوباریاں
آسماں پر حلقہ زن ہیں کہکشاں کی دھاریاں

بیخبر ہے تو مگر کنجِ لحد میں محوِ خواب
دیدۂ عبرت میں رقصاں ہے جہاں کا انقلاب

آج پھر اے دوست! تیری قبر پر آیا ہوں میں
موتیوں کا ہار تیری نذر کو لایا ہوں میں

اشک کے موتی پروتا ہوں نظر کے تار میں
تیرے لایق اور کیا ہے دیدۂ خونبار میں

ابِ سوائے آرزوئے موت دل میں کچھ نہیں
زندگی کا جذبہ جانِ مضمحل میں کچھ نہیں

ایک اندھی لڑکی کی دُعا

تو نے تاروں کو ضیا بخشی ہے سورج کو جمال
بارشِ انوار سے دنیا کی کھیتی ہے نہال
نور پاشی میں قمر ہے آپ ہی اپنی مثال
مجھ کو اِن چیزوں کی کچھ خواہش نہیں اے ذوالجلال!
یہ تمنّا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

سنتی آئی ہوں کہ کھلتے ہیں چمن میں لالہ زار
روئے گل پر رنگ برساتی ہے ساون کی پھوار
تازگی سی روح میں بھرتا ہے کلیوں کا نکھار
میں نہیں کہتی کہ یہ سب دیکھ لوں، پروردگار!
یہ تمنّا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

لوگ کہتے ہیں کہ رنگوں کی کئی اقسام ہیں
سرخ ہیں، کالے ہیں، پیلے اور نیلی فام ہیں
اور اِن رنگوں سے وابستہ ہزاروں کام ہیں
مجھ کو کیا؟ یہ آنکھ والوں کے لئے اِنعام ہیں
یہ تمنّا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

میری آنکھوں کو بصارت کی ہوس اصلا نہیں
بے بصر ہوں میں، مگر اس کی مجھے پروا نہیں
تو نے سمجھا ہے میں عاجز ہوں مگر ایسا نہیں
مجھ کو ہرگز آرزوئے دیدۂ بینا نہیں
یہ تمنا ہے کہ اپنی ماں کی صورت دیکھ لوں

اِستفسار

کیا اب بھی یاد ہے تمہیں وہ خوشگوار شام
پورب سے ہولے ہولے جو ابھرا مہِ تمام
دونوں تھے ہم خموش، خُدا جانے کتنی دُور
تھا باغ کی روش عنادل کا اژدحام

سارا جہاں خموش، زمیں آسماں خموش
طایر مثالِ تمکنت آشیاں خموش
رنگیں کلی خموش، گُلِ بوستاں خموش
گلچیں اِدھر خموش، اُدھر باغباں خموش

ناگاہ تو نے میری طرف کی نگاہِ ناز
میں نے بصد نیاز جھکایا سرِ نیاز
گو تھی لبوں پہ مُہرِ خموشی لگی ہوئی
آنکھوں نے بے نقاب کیئے دو دِلوں کے راز

بانگِ درا

پَو پھٹنے لگی، دُور ہوئی شب کی سیاہی
دینے لگے مُرغانِ سحر حق کی گواہی
کرنے لگے پیرانِ حرم یادِ الٰہی
مَیدان میں آیا ہے کمر بستہ سپاہی
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دُور

دشوارئ منزل ہے عزیزوں کی نظر میں
لُٹ جاتے ہیں احباب اِسی راہ گذر میں
ہر وقت ہے اندیشہ لٹیروں کا سفر میں
لٹکائے چلو خنجر و شمشیر کمر میں
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بہت دُور

منزل پہ پہنچ بھی گئے یارانِ سُبک پَے
جو راستے دشوار تھے ہمّت نے کئے طَے
پیچھے نہ رہو، راہ خطرناک بُہت ہے
ہے قافلۂ سالار کی آواز پَیا پَے
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بُہت دُور

دیتی ہے یہ پیغام تمہیں بادِ بہاری
یہ نکہتِ گُل مشرق و مغرب میں ہے جاری
اِک لمحہ بھی بے کار نہیں اسکی سواری
سَب مِل کے اٹھو کوچ کی کرلیں گے تیاری
جاگ اٹھو کہ ہے منزلِ مقصود بُہت دُور

رُباعیات وقطعات

*

تجھے خبر نہیں عالی مقام ہوں میں بھی
مثیلِ خضر علیہ السلام ہوں میں بھی
جہانِ لوح و قلم میرے زیرِ فرماں ہے
محمدؐ عربی کا غلام ہوں میں بھی

*

سحر کا وقت ہے بیدار ہے دل آگاہ
نزولِ رحمتِ پروردگار پر ہے نگاہ
درود خواں ہے گل و خار و یاسمین و گیاہ
کلی کلی کی زباں پر ہے یا رسول اللہؐ

*

دلِ غم دیدہ کو تسکین سا مل جاتا ہے
جب عقیدت سے ترا نام لیا کرتا ہوں
جب میں گھر جاتا ہوں طوفانِ حوادث میں کہیں
دامنِ سیدِ کلؐ تھام لیا کرتا ہوں

*

ہمیشہ عرش سے آگے رہی مری پرواز
مرا وجود ہے ابنائے جنس میں ممتاز
مری نگاہ میں ہموار ہے نشیب و فراز
ہے دل میں جب سے تمنائے خاکِ پاکِ حجاز

*

جس پہ پڑتی ہے رسولِ ہاشمی کی اک نظر
خاک سے بنتا ہے سونا اور سونے سے گہر
وہ زرِ خالص جو چمکاتا ہے جبینِ مہر و ماہ
وہ گہر جس سے درخشاں ہے نہادِ ماہ و خور

*

کر دیا پیغمبرِ صحرا نے مجھ پر راز فاش
موج ہو جاتی ہے ٹکرا کر چٹانوں سے پاش پاش
مردِ مومن کے دلِ بیباک میں غم کیا مجال
بدرِ کامل نے کیا تاروں میں پیدا ارتعاش

*

گفتگو کل ہو رہی تھی بلبل و شہباز میں
دے دیا بلبل نے شاہیں کی تعلّی کا جواب
ہے بظاہر تلخ لیکن یہ حقیقت ہے جناب
زندگی ہے سینکڑوں تاروں کی مرگِ آفتاب

*

اِک زمانہ تھا کہ دِل ہوتا تھا مقصودِ حیات
دِل کی چالوں کو کیا پھر عقل کے شاطر نے مات
ابتدا میں عقل تھی ہر ہر قدم پر کامیاب
اب "شکم" ہی رہ گیا لے دے کے اُس کی کائنات

*

یہ آج کل کے فقیہوں کے بحثنے کا اصول
مُناظرہ کی روش اور طرزِ قال و اقوال
مرے خیال میں رہتا ہے جھٹ وہ دیوانہ
جو اپنے آپ سے لڑتا ہو کہہ کے اول جلول

*

زیست ہو جس کی پُر از اندیشہ ہائے بیش و کم
ہاتھ دھو بیٹھا وہ لطفِ زندگی سے یک قلم
ناخدا سویا ہوا کالی گھٹا چھائی ہوئی
ورطۂ افکار، طوفانِ حوادث یم بہ یم

*

یہ سکوں پرور، سکوں آموز رات
یہ حیات آگیں، حیات افروز رات
چاند جھومر، کہکشاں ہے حلق بند
اور خالِ چہرۂ نوروز، رات

*

ناچتا ہے انگلیوں میں خامۂ معجز نُما
نامۂ الفت کی لکھی جا رہی تمہید ہے
اُن سے کہہ دینا زبانی بھی مرا حالِ زبوں
مرے اچھے نامہ بر! تاکید ہے تاکید ہے

*

یہ صحن گلستاں یہ چمن زار کائنات
فطرت کے میزباں کی انوکھی نوازشات
یہ اس کا سبز رنگ یہ اس کی مُلائمت
جی چاہتا ہے گھاس پہ لیٹوں تمام رات

*

منہ پہ ڈالا ہے عروسِ شام نے کالا نقاب
آرزوئیں خوں ہوئیں دِن کی یہ ماتم کر گئیں
کیا بتاؤں میں حیاتِ آرزو کا اختصار
بحرِ دل سے یہ حُبابِ آسا اُبھر کر مر گئیں

*

مرے خیال کو افکار نے دبوچا ہے
مرے دماغ کے چہرے کو غم نے نوچا ہے
جو ایک لمحہ بھی افکار سے نجات ملی
مرے خیال کو تابانیِ حیات ملی

*

دبستانِ محبت میں مرے دل کی نوآموزی
اگر جاری رہی دنیا کو دے گی درسِ جاں سوزی
کسی گم کردہ رہ کی رہبری مقصود تھی شاید
دیا جو کرمکِ شب تاب کو ذوقِ خود افروزی

*

غار میں خلوت نشینی سے تجھے کیا فائدہ
جو تری خواہش ہو کر لیکن ریاکاری نہ کر
میں بتادوں گا تجھے مولا کی خوشنودی کا راز
بن کے آقا اس کے بندوں کی دل آزاری نہ کر

*

وہ جواں سالی وہ ایامِ شباب
وہ غرورِ حسن، وہ رعنائیاں
یہ قُوٰے کا ضعف یہ راہِ دراز
یہ وفورِ گریہ یہ نم ناکیاں

*

ہر طرف جلوہ نُما شانِ خداوندی ہے
شبِ تاریک ہے انوار کی دربندی ہے
چادرِ ظلمتِ شب میں ہے عروسِ مہتاب
سرخیٔ رنگِ شفق اسکی حنابندی ہے

*

عدو کی خندہ روئی میں خباثت اسکے باطن کی
بنولے کی طرح روئی کے گالے میں نہاں نکلی
مجھے دھوکہ رہا نازک بدن میں دل بھی نازک ہے
مگر پوشیدہ اس دیبائے سینے میں چٹان نکلی

*

خیالِ یار جب خاموش راتوں میں ستاتا ہے
دِل مجبُور روتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے
ابھی معصومِ الفت ہو تم اِن باتوں کو کیا جانو
محبت کیا بناتی ہے، زمانہ کیا سِکھاتا ہے

*

میں تمہیں اپنا بناؤں کِس طرح
مِل سکیں گے دھوپ چھاؤں کِس طرح
آپ کہتے ہیں کہ کر ترکِ وفا
خوب ہے لیکن نبھاؤں کس طرح

*

وہ جس نے کر لئے ارض و سما لوح و قلم پیدا
اُسے کیا مدّعا تھا جب کیا تھا اس نے غم پیدا
اسی کو زیست کہتے ہیں اسی کا نام ہے ہستی؟
جو ذکرِ نیک و بد گذرا تو فکرِ بیش و کم پیدا

*

شیر کا کتے کے آگے کیسے سر خم ہو سکے
اَے مرے دِل کر لے جتنا تجھ سے ماتم ہو سکے
تجھ سے کِس نے کی تھی ایسی زندگی کی آرزو
زندگی کم کر الٰہی جِس قدر کم ہو سکے

*

خیالِ یار میں قدرت ہے تخلیقِ دو عالم کی
اکیلا رہ کے لاکھوں خلوتیں آباد کرتا ہوں
بُھلاتا ہوں مگر پھر خود فراموشی کے عالم میں
خُدا جانے میں کیوں اِس بے وفا کو یاد کرتا ہوں

*

یہ فصلِ گُل یہ گلِستان یہ سحر کا عالم
یہ گلستان، یہ چمن، یہ سماں رہے نہ رہے
شباب و کیف و خمار و سُرور کا عالم
رواں، دواں، گذراں، جاوداں رہے نہ رہے

*

دِل سے اٹھی، لب پہ آئی، لڑکھڑا کر گر پڑی
اِس سے بہتر اور کیا ہوگا مآلِ التجا
حسن بے پروا نظر آتا ہے مغرور و متین
ملتجی کو جب نہیں رہتی مجالِ التجا

*

ماسوا کے آگے جھکنے سے اُسے اِنکار تھا
ایسے با اخلاص بندے سے خفا کیوں ہو گئے؟
ظالم و جاہل دیا تھا تو نے انسان کو خطاب
پھر اسی مجہول بندے کے خدا کیوں ہو گئے

*

زیست کیا چیز ہے بڑھاپے میں
کیا کشش ہے جہانِ فانی میں
اب بھی آتا ہے یاد رہ رہ کر
ہم بھی کچھ چیز تھے جوانی میں

*

وہ حسین راتیں وہ دل کش رُت وہ آغازِ بہار
وہ ہجومِ لالہ و گُل وہ نجومِ شاخسار
وہ سکوتِ شام وہ سرو و تدرو و جوئبار
آہ! وہ پُر کیف تنہائیاں کیا ہوئیں پروردگار!

*

قمار خانۂ دنیا کی چال بازی سے
دبک کے بیٹھا ہوں، ہارا ہوا جواری ہوں
بساطِ زیست پہ ہوں اِک پٹا ہوا مُہرہ
شکست خوردہ ہوں، محتاجِ غمگساری ہوں

*

کیا کروں محفل میں جب وہ رونقِ محفل نہیں
لطفِ سیرِ باغ کیا جب وہ مہِ کامل نہیں
دل پہ قابو کیا رکھوں، قابو میں اپنا دِل نہیں
حاصلِ حسرت سوائے حسرتِ حاصل نہیں

*

غمِ اولاد سب پہ بھاری ہے
مرگِ اولاد ضرب کاری ہے
آج محسوس کر رہا ہوں میں
زندگانی نفس شماری ہے

*

کچھ نہ تھا اِک مردِ کامل کی نظر کا فیض تھا
منزلِ مقصود پر وارِد ہوئے گمراہ بھی
اے دیارِ مصطفےٰ! اے شوقِ دیدار المدد
میں نے آتش زیرِ پا دیکھی ہے ریگِ راہ بھی

*

اتار پھینکی ہے تونے قبائے زردوزی
پہن لیا ہے عوض اسکے جامۂ سالوس
اسی سے دست نگر ہے تری رعونت کا
شکوہِ سنجر و شانِ یزید و کیکاؤس

*

یہ شبِ مہتاب، یہ پانی سے مالامال جھیل
دامنِ کہسار کا جھرنا عدیلِ سلسبیل
ہر ادا مخمور، ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت
ہر پہاڑی طور، ہر منظر حسیں، ہر شے جمیل

*

ذلیل تھا ترے ابلیس کی نگاہوں میں
ملائکہ نے کہا تھا کہ یہ فسادی ہے
تری نظر میں ظلوم وجہول تھا انسان
اسی عطا پہ مجھے دعوتِ وفادی ہے

*

ہزیمت ہوگئی جہدِ وفا کو
بہیمیت بھی پہنچی اِنتہا کو
کھڑی فطرت تماشا دیکھتی ہے
اِسی پر ناز ہے میرے خُدا کو

*

تمنائیں ہیں، شکوے ہیں، گِلے ہیں
دلوں میں حسرتوں کے قافلے ہیں
یہ کیسی زندگی ہے یا اِلٰہی
مرے معبود! یہ کیا سِلسلے ہیں

*

وہاں بھی فاقہ کش مزدور ہوں گے
وہاں بھی قیصر و فغفور ہوں گے؟
تِرے فردوس میں بھی یا اِلٰہی
یہی رِستے ہوئے ناسُور ہوں گے؟

*

مرے بس میں مری تقدیر ہوگی
نیا نقشہ، نئی تصویر ہوگی
ہلا ڈالوں میں بنیادِ جہاں کو
تو پھر دُنیائے نو تعمیر ہوگی

*

یہ میرے بحر کا ساحِل نہیں ہے
یہ میرے عِشق کا حاصِل نہیں ہے
ذرا سی دیر سستا لوں تو چل دُوں
تری دُنیا مِری منزل نہیں ہے

*

اگر تو شاعری وہ شاعری ہے
کہ بس الفاظ کی جادوگری ہے
ہم ایسی شاعری سے باز آئے
کہ اصل شاعری پیغمبری ہے

*

کوئی کہتا ہے اسکو جاودانی
کوئی کہتا ہے فانی ہے جوانی
نہ آگا اس کا ملتا ہے نہ پیچھا
بڑی الجھی ہوئی ہے یہ کہانی

*

خدا ہے تو ترا رتبہ ہے عالی
نہیں تیرے جہاں میں پائمالی
تری ساری خدائی میں بھی لیکن
نہیں میرے لئے آسودہ حالی

*

غلط ہے تو نے کچھ واپس لیا تھا !
مجھے میری خودی نے ڈس لیا تھا
ترے فردوس کو ٹھکرا کے یارب !
یہ پھندا میں نے خود ہی کس لیا تھا

*

نہ قسمت میں حیاتِ جاوداں ہے
نہ اپنے بس میں مرگِ ناگہاں ہے
مری مجبور دُنیا پر مُسلّط
اندھیرا ہے، سِیاہی ہے، دھواں ہے

*

کل اِک امیر دُعا مانگتا تھا مسجد میں
فلک کے نیچے کوئی مجھ سا خوش نصیب نہ ہو
خُدا سے مانگ رہا تھا سڑک پہ گھسیارا
"اِلٰہی تیرے جہاں میں کوئی غریب نہ ہو"

*

نہ میری شمع بن کر جل سکو گے
نہ خواب آلودہ آنکھیں مَل سکو گے
میری تاریک دُنیا کے مسافر!
اندھیرے میں کہاں تک چل سکو گے؟

*

ترے دوزخ کی دہشت سے الٰہی
بہت مرعوب تھی اَولادِ آدم
اِسی دہشت کو کم کرنے کی خاطر!
بنایا میں نے دُنیا کو جہنّم

*

کسی نے مے چکاں منہ سے کہا ہے
"جوانی کی غزل گا کر سُنا لوں"
ذرا ٹھہرو میں دو لمحوں میں جا کر
شبابِ رفتہ کو واپس بُلا لوں

*

مصائب کے دہل جاتے ہیں سینے
اجل کے چھوٹ جاتے ہیں پسینے
اسے مرنے پہ کیا راضی کروگے؟
جسے جینا سِکھایا ہو کسی نے

*

تیری دنیا میں نخوت ہے خودی ہے
زیاں ہے سُود ہے نیکی بدی ہے
میری دنیا ہے میری بے نیازی
یہی میرا سرورِ سرمدی ہے

*

تری تمجید میں رطب اللساں ہیں
ترے احسان کا دم بھرنے والے
مگر اِس بات کو سمجھیں تو کیونکر
تمناؤں کا ماتم کرنے والے

*

جو پُورب سے لگا سورج اُبھرنے
کہا شبنم کے قطرے سے گُہر نے
نہ تھی تجھ میں صلابت موتیوں کی
فنا انجام! کیوں آیا تھا مرنے

*

کہیں دیر و حرم کی ساحری ہے
کہیں طاقت وروں کی سروری ہے
یہاں بھی لُٹ گیا ہوں میں وہاں بھی
خداوندا! یہ کیا غارت گری ہے

*

کشش کیا ہے جہانِ آب و گِل میں
حلاوت کیا ہے دردِ جاں گُسل میں
میں مرنے سے نہیں ڈرتا، ولیکن
ابھی کچھ حسرتیں باقی ہیں دِل میں

*

وہ پھُلواری سے واپس آ رہی ہیں
ہوائیں مِل کے دیپک گا رہی ہیں
فضائیں نکہتیں برسا رہی ہیں
ادائیں خود بخود شرما رہی ہیں

*

مرے کشمیر کی ہر شے حسیں ہے
یہاں کی ہر پہاڑی نازنیں ہے
فلک پر اس زمین کی سرزمیں ہے
فلک خود جھیل ڈل میں تہ نشیں ہے

*

کسی نمرود کا آذر نہیں ہوں
خلیل اللہ ہوں بت گر نہیں ہوں
کوئی اس سنگدل سے جا کے کہہ دے
کہ میں پتھر کا سوداگر نہیں ہوں

*

مرے نغموں کی موسیقار تم ہو
مرا دیپک، مرا ملہار تم ہو
میں فواروں میں کر لوں گا چراغاں
کہ میری شامِ شالامار تم ہو

*

آج سینائے فکرِ انساں میں
جلوہ ہائے درختِ طور نہیں
ایک فالج زدہ عضو کی طرح
اس میں احساس ہے شعور نہیں

*

کون کہتا ہے شبِ غم کی سحر ہونے لگی
امن و آزادی کی صورت جلوہ گر ہونے لگی
جب سے ڈالی فکرِ انساں نے ستاروں پر کمند
زندگی دشوار تھی دشوار تر ہونے لگی

*

ایک جانِ ناتواں اس پر ہزاروں آفتیں
درد بھی، رنج والم بھی، زخم بھی، ناسور بھی
چار دن کی زندگی رنج والم آٹھوں پہر
زندگی دی تھی دیا ہوتا دلِ مسرور بھی!

*

وہ بھی دن تھے کہ نوریانِ فلک
سربسجدہ تھے خاکداں کی طرف
ہو کے مایوس ابنِ آدم سے
تک رہے ہیں اب آسماں کی طرف

*

شکیب و تاب و تواں جا چکے تھے ہوش کے ساتھ
ہمارے پاس نہ تھا کوئی، جز دلِ آگاہ
سو وہ بھی کہنے لگا آج ہم بھی جاتے ہیں
تو میں نے اس سے کہا، جاؤ فی امانِ اللہ

*

فریاد بن کے قیدِ ضمیرِ حزیں میں ہوں
تہمت لگی ہے مجھ پہ کہ میں اپنے بس میں ہوں
اِک بیکراں فضا میں اڑا چاہتا ہے دِل
صَدیاں گذر گئی ہیں میں اب تک قفس میں ہوں

*

دنیائے بے وفا سے وفا مانگتا ہوں میں
اپنی حماقتوں کا صِلہ مانگتا ہوں میں
میرے خدا یہ کیسی گھُٹن ہے بقولِ جوش
"وہ حبس ہے کہ لُو کی دُعا مانگتا ہوں میں"

*

ہر صبح ایک تازہ قیامت کی ہے نمود
ہر شام تیرہ بخت برنگِ دلِ حسود
یہ روز و شب یہ شام و پگاہ اور یہ ماہ و سال
اب تک میں جی رہا ہوں، حوادث کے باوجود

*

(انگلستان میں)

نظر افروز بہارِ افرنگ
باغ میں دَشت میں ہر رنگ کا پھول
اِن میں خوشبو کی کہیں بو بھی نہیں
رنگ ہی رنگ ہے افرنگ کا پھول

*

مرے معبود ترا شکر کہ جنّت کے عِوض
مجھکو محبوبؐ کی دہلیز عطا کی تُو نے
دولتِ حُبِّ نبیؐ دے کے سرفراز کیا
ایک ناچیز کو کیا چیز عطا کی تُو نے

*

صیدِ زبونِ سلسلۂ حادثات ہوں
تنہائیوں کا زہر، جُدائی کی رات ہوں
یارانِ غم گسار، مُحِبّانِ رازدار
سب مر گئے، میں اب بھی بقیدِ حیات ہوں

*

تجربے کر کے بزرگوں نے کہا
ہر ملامت کا ندامت ہے علاج
درِ دولت پہ کھڑا روتا ہے
ایک ناکارہ و آوارہ مزاج

*

ایسا نہیں کہ رہروِ راہِ نجات ہوں
یہ بھی نہیں کہ بندۂ مولا صفات ہوں؟
پھر کون سی ادا ہے جو آئی تجھے پسند
اسّی برس سے قید بقیدِ حیات ہوں

*

مجھکو اُن لوگوں پر حیرت ہے جو رہتے ہیں یہاں
پست جن کے فہم سے ہے رِفعت نہ آسماں
ذرّے ذرّے میں یہاں حُسن وجمالِ یار ہے
روح کیوں خوابیدہ ہے اُن کی یہ کیا اسرار ہے

*

لالہ و گُل نغمۂ بُلبُل جہاں موجود ہو
لوگ کہتے ہیں نشاطِ نوجوانی چاہیئے
اس حسین منظر میں ایسے دلکشا ماحول میں
میں سمجھتا ہوں خدا کی یاد آنی چاہیئے

*

اُف زمستاں دیارِ مغرب کا
وَقِنا رَبّنا عذابَ النّار
اللہ اللہ بہارِ انگلستان
با ادب با ملاحظہ ہوشیار

*

اس سے پہلے میں نے دیکھا ہی نہ تھا یہ رنگ روپ
تختہ ہائے لالہ وگل اور انگلستان کی دُھوپ
یہ بہارِ جانفزا یہ لالہ وگل کا نِکھار
بلبل و قمری صف اور صف قطار اندر قطار

*

تیرہ دل کی ہم نشینی سے مری جاں دور بھاگ
صحبتِ روشن نفس سے دل کی کھل جاتی ہے جاگ
آگ کی آغوش میں پڑ کر چمکتا ہے زُغال
راکھ کے نیچے دبا رکھنے سے بُجھ جاتی ہے آگ

*

خاموش تھے سب باغ میں چھائی تھی اُداسی
بلبل نے بڑے لطف کی اک بات بیاں کی
ہوگا وہ کسی اور زمانے کا تقاضا
اِس دور میں کٹتی ہے زباں اہلِ زباں کی

*

دل عموماً اُداس رہتا ہے
وقفِ حرمان و یاس رہتا ہے
چھوڑ جاتے ہیں ساتھ سب ساتھی
ایک غم ہے جو پاس رہتا ہے

*

غلط خیال ہے جن کا خیال ہے فطرت
ظلوم و جاہل و باطل نواز ہوتی ہے
خُدا کے قہر سے بچتا نہیں کوئی لیکن
حرام زادے کی رسّی دراز ہوتی ہے

*

یہ راہ سخت کٹھن ہے مسافروں کے لئے
ہر ایک گام پہ گرتوں کو تھامنا ہوگا
اندھیری رات میں تسخیرِ منزلِ مقصود
قدم قدم پہ رُکاوٹ کا سامنا ہوگا

*

جو میرے دِل میں تلاطم ہے کہہ نہیں سکتا
حقیقتوں کے طمانچے میں سہہ نہیں سکتا
تخیّلات کی دنیا میں میری جنت ہے
میں واقعات کی دنیا میں رہ نہیں سکتا

*

ترے دل میں ایمانِ کامل نہیں
عجب کیا اگر ہو گیا مضطرب
نہ سمجھا ہے [1] يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

*

اک سُہانی چاندنی رات اور مانسبل کی جھیل
حُسن کی چُپ چاپ دُنیا خُلد کا عکسِ جمیل
دُور تا حدِّ نظر سرسوں کے کھیتوں کی قطار
آرزو کا سلسلہ لا انتہا، فرصت قلیل

---

[1] قرآنِ مجید

*

بعض بندے ہیں فقط ایک خدا کے بندے
بعض بندے ہیں فقط حرص و ہوا کے بندے
ہم نہ بندے ہیں ہوس کے نہ خدا کے بندے
عشق کے بندے ہیں تسلیم و رضا کے بندے

*

تلخیٔ فکرِ حصول نان و آتش
یہ کوئی جینا ہے جو ہم تم جیتے؟
ہم نے اس دنیا سے کیا چھینا ہے دوست
پرسشِ اعمال ہم سے کس لئے!

*

چاند کی کرنوں سے دنیا حسن کا گہوارہ ہے
پرتوِ مہتاب ہے یا نور کا فوّارہ ہے
جلوہ گاہِ طور ہے پست و بلندِ کائنات
رات کا سنسان منظر ہے نظر آوارہ ہے

*

تم نے وہ قصہ سنا ہوگا کہ اک روباہ نے
تنگ آکر کہہ دیا انگور کھٹے ہیں تمام
کل کسی سے کہہ رہا تھا واعظِ ابلہ فریب
"ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام"

*

روش رہی ہے زمانے کی ابتدا سے یہی
جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں"
مِرے خیال میں غم لازوال دولت ہے
میں غم نصیب کو کس مُنہ سے کم نصیب کہوں

*

پہلوؤں میں برف کی ٹھنڈی سی قاشیں دیکھئے
دفن ان اجلی سی پوشاکوں میں لاشیں دیکھئے
زندگی کا غم، جوانی کا الم، فکرِ معاش
غم کے ہاتھوں دل کے چہرے کی خراشیں دیکھئے

*

اے غلام ابنِ غلام ابنِ غلامِ زندگی !
کیا تجھے سچ مچ بھلا لگتا ہے نامِ زندگی
مستقل سی چیز کی خواہش کرے انسان تو خیر
یاں تو ہر لمحہ بدلتا ہے نظامِ زندگی

*

لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا ہے میدانِ عمل
زندگانی سعیٔ پیہم کے سِوا کچھ بھی نہیں
یہ غلط ہے، وہم ہے، دھوکا ہے، یکسر جھوٹ ہے
میرا ایماں ہے یہاں غم کے سِوا کچھ بھی نہیں

*

غم کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے میرے ہمنشیں
روح کو شاداب کرتا ہے دلِ اندوہ گیں
غم میانِ بندہ و مولا ہے وجہِ ارتباط
باعثِ قربِ خدا ہم پایۂ روح الامین

*

خاص بننے کی ہوس میں بھاگتے ہیں عام سے
کام رہتا ہے انہیں دنیا میں اپنے کام سے
بے خبر اوروں سے، اپنے عیش کے انجام سے
ہول آتا ہے مجھے فرزانگی کے نام سے

*

باغ میں پھر سے ورودِ فصلِ گل ہونے لگا
شاہدِ رعنائے گل شبنم سے مُنہ دھونے لگا
پھر خودی کو بھول کر دُنیا ہوئی مستِ شباب
میں شبابِ رفتہ کے ماتم میں پھر رونے لگا

*

سوچ میں تھیں، یک بیک پھیلا لبوں پر ابتسام
جل پری پانی میں غوطہ کھا گئی ہنگامِ شام
ہلکے ہلکے بادلوں میں چھُپ گیا ماہِ تمام
دامنِ کہسار میں ندی ہوئی محوِ خرام

*

بہت مدّت سے ہوں آوارۂ ذوق
جہانِ بیش و کم سے دِل لگا کر
دِلِ بیدارِ فاروقی کا صدقہ
دِلِ بیدار کی دولت عطا کر

*

سکونِ دل مجھے حاصل کہاں ہے؟
تڑپتا ہوں سکونِ دل کہاں ہے؟
میں اس دِل کو کہاں پر پھینک آؤں
دلِ مضطر مرے قابل کہاں ہے

*

کُلبۂ عصیاں کی بنیادیں ہلا دیتا ہے غم
بندہ و مولا کو آپس میں مِلا دیتا ہے غم
بادۂ تسکین خاطر انتہائے یاس میں
تشنہ کامانِ محبّت کو پلا دیتا ہے غم

*

لرزہ براندام ہو جاتا ہے ہر حسّاس دِل
کِتنی ہیبت ناک غربت ہے ہمارے دیس میں
کون جانے اِن میں کتنے غالبؔ و اقبالؔ ہیں
کتنے رازی پھر رہے ہوں گے گدا کے بھیس میں

*

اگر پیری میں بھی گردش میں ہے خونِ زندگی ہوگا
جوانی کا زمانہ کون کہتا ہے کہ بیتا ہے
یہی ہے مشعلِ خورشید کا بُجھ بُجھ کے جل اُٹھنا
چمکتا ہے وہی دنیا میں جو مر مر کے جیتا ہے

*

میں نے بلبل سے سبب رونے کا پوچھا آج صبح
یہ بھی کوئی وقت ہے فریاد کرنے کے لئے
بولی میں سمجھی تھی سورج مر گیا مرگِ دوام
یہ جوانا مرگ پھر آیا ہے مرنے کے لئے

*

پھر پریشانی کا مرکز ہے مرا صد لختِ دل
پھر پگھلنے لگ گیا خارا کا ایسا سختِ دل
رات دن رونا بھلا یہ بھی کوئی انداز ہے
رو چکا سو بار، اب چپ بھی تو رہ کم بختِ دل

*

فرشتوں نے مرے اعمال کی نسبت مجھے پوچھا
کہ جو کچھ کر چکے دنیا میں تم کہہ دو صفائی سے
مرے کمزور دل کو مجھ سے سب کچھ کہلوانا تھا
مری فطرت نے روکا مجھ کو بے جا خود ستائی سے

*

فرشتے پوچھتے جاتے تھے میں خاموش تھا گم صم
وہ سمجھے اعترافِ جرم ہے میری یہ خاموشی
یہ ذوقِ سرزنش تھا جس سے میں خاموش بیٹھا تھا
مرے مذہب میں ناجائز ہے سعیِ عافیت کوشی

*

ہُوک سی اٹھتی ہے غیر آباد، دِل میں یک بیک
دامنِ صبر و سکون ہوتا ہے پل میں تار تار
جس طرح سے فصلِ گل میں چاک ہو دامانِ گل
سائیں سائیں کرکے چلتی ہو ہوائے خوشگوار

*

مجھکو آزادی کا فرماں مل گیا جس وقت، میں
یاس کا پتلا بنا بیٹھا تھا محشر میں اُداس
ہو بہو جیسے کوئی مایوس لڑکا بغتۃً
سال بھر بیکار رہنے پر بھی ہو جاتا ہے پاس

*

یہ بات ٹھیک کہ اس کارگاہ فانی میں
نہیں ہے کوئی بھی جو غم سے ہم کنار نہیں
غرض نہیں غم و اندوہ سے مرے دِل کو
اسے وفورِ مسرت میں بھی قرار نہیں

*

"فِردوس میں رومی سے یہ کہتا تھا سنائی
مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ وہی آش
حلّاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر
اک مَردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش"

اِقبالؒ

*

جب عازمِ فردوس ہوئے حضرتِ اقبال
مشرق ہوا تاریک تراز دیدۂ خفاش
تاریخ لکھی بے شش و پنج عقل و خرد نے
"اِک مردِ قلندر نے کیا رازِ خودی فاش"

تعارُف

ہمالہ کے چشمے اُبلتے ہیں کب تک
خَضر سوچتا ہے وُلر کے کنارے

غلام رسول نازکی کا نام ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کا بیشتر کلام بیرونِ ریاست کے معیاری رسائل میں شائع ہو کر خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ آج پہلی بار آپ اپنے منتخب کلام کا مجموعہ شائع کروا رہے ہیں۔ اور آج ہی پہلی بار ہمالہ کی بلندیوں پر جدید اردو شاعری کا ایک نیا ورق الٹا جا رہا ہے۔

علمی لحاظ سے کشمیر ابھی دورِ انحطاط سے گزر رہا ہے۔ صدیوں کی مسلسل غلامی نے ہماری وہ روح فنا کر دی ہے جو فنونِ لطیفہ کی پرورش کرتی ہے۔ ہماری ادبی فضا پر اب بھی ایک خاموش افسردگی سی چھائی ہوئی ہے اور تاریخ کی مُسلّم روایات کے پیشِ نظر آج کشمیر کا وہ سرچشمہ تقریباً خشک ہو چکا ہے۔ جس سے ماضی قریب میں ساری علمی دنیا میں بھی گنتی کے چند ادیب اور شعراء مشعلِ ادب کو تھامے ہوئے ہیں۔ زمانہ کی ناقدری اور سرد مہری کے باوصف یہ لوگ اپنی دھن میں مگن آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ نازکیؔ اِس مختصر سے گروہ میں ایک مخصوص پوزیشن کا مالک ہے۔

نازکیؔ خالص شاعر ہے۔ شروع سے آخر تک آپ کے کلام کا تجزیہ کیا جائے

یہاں غم زندگی کی اہم ترین حقیقت سے عبارت ہے۔ اِنسانی زندگی سے غم کا عنصر نکال دیا جائے تو زندگی مہمل بن جاتی ہے۔ اس لحاظ سے غم نوعِ انسانی کے لئے متاعِ بے بہا اور غم کے بغیر زندگی تشنۂ تکمیل۔ غم کا یہ خوشگوار تصوّر جس کو اُردو شاعری میں فانی مرحوم نے مستقِل موضوع کے طور پر روشناس کیا قنوطیت اور یاسیات کے اُس قدیم تصوّر سے بالکل جُداگانہ ہے جس پر مشرقی ادب خصوصاً فارسی اور اُردو شاعری کی بنیاد قائم ہے۔ یہ غم انسان کو فرار پر مجبور نہیں کرتا نہ بے عملی کی طرف مائل کرتا ہے۔ نازکی کے یہاں غم کا یہ تصور اِس حد تک کارفرما ہے کہ آپ کے نزدیک غم ہی بندہ و مولا میں "وجہِ ارتباط" ہے۔ اور رُوح کی بالیدگی کے لئے صِرف "دلِ اندوہگیں" کی ضرورت ہے ؎

غم کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے میرے ہمنشیں
رُوح کو شاداب کرتا ہے دلِ اندوہ گیں
غم میانِ بندہ و مولیٰ ہے وجہِ ارتباط
باعثِ قربِ خُدا ہم پایۂ رُوح الامیں

زندگی کے تلخ حقایق اور غم اور مجبوریوں کی اِس مسلسل عکاسی کو شاعر کے معاشرتی ماحول سے گہرا تعلق ہے۔ کشمیر کی گذشتہ قرن ہا کی تاریخ بجائے خود ایک غمناک داستان ہے۔ اس ماحول میں کوئی ادیب اپنے گرد و پیش سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ خود نازکیؔ نے جس طور پر اپنی عمر کے بہترین سال گزارے ہیں اسکا یہاں تفصیل سے ذکر نہیں ہوسکتا لیکن آپکی شاعری کا صحیح اندازہ لگانے کیلئے ضروری ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں سرسری طور پر شاعر کے اپنے تجربات اور مُشاہدات کی کیفیت سما سکے اس لئے آپ کی چالیس ۴۰ سالہ زندگی پر ایک چھلکتی ہوئی نظر بھی ڈالتے جایئے۔

۱۹۶۵ بکرمی میں کشمیر کے ایک معزز خاندان سادات ...

لاچار ہو کر سرینگر سے ہجرت کر کے ماڈر (بانڈی پور) میں سکونت اختیار کی۔ دھن نہ تھا لیکن علم و فضل کی بے پایاں دولت نے پردیس میں بھی عظمتِ رفتہ کی ساکھ قائم رکھی۔ عرصے تک یہ خاندان مرجع خلائق رہا۔ نازکی کے والد بزرگوار عربی اور فارسی کے اعلیٰ پایہ کے عالِم تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ نازکی نے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اوائل عمر میں مشفق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ کمسن بیٹے کو تربیت کے سوا اور کوئی چیز ورثہ میں نہیں ملی۔ اپنے سے چھوٹے بہن بھائیوں اور بے بس ماں کا گزارہ چلانے کے لئے یہ شخص سولہ سال کی عمر میں گھر سے پچپن میل کے فاصلے پر محکمۂ تعلیم میں آٹھ روپیہ ماہوار کی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور پورے سترہ سال مُدرسی کے اس چکر میں پھنسا رہا۔ یہ زمانہ آہوں اور آنسوؤں کا تھا۔ اس دوران میں آپ نے پرائیویٹ طور مڈل، میٹرک، ایف اے، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے لیکن چکر بدستور رہا۔ شباب غم آلود منزلیں طے کرتا گیا۔ اور زندگی کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی ڈگر پر چلتی گئی۔ خواجہ غلام السیدین ریاست کے ناظمِ تعلیم ہو کر آئے۔ تو آپ نے اس جوہر قابل کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر جِلا دی۔ "تعلیمِ جدید" ایک خالص علمی رسالہ تھا جو خواجہ موصُوف کی زیرِ نگرانی ان کے عہدِ نظامت میں شایع ہوتا رہا۔ نازکیؔ نے اس رسالہ کے مُدیر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اچھّی شہرت پیدا کی۔ بدقسمتی سے "تعلیمِ جدید" زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ اور آپ پھر معلِّم ہو گئے۔ اُس وقت سے محکمۂ تعلیم میں آپ نسبتاً اچھّے عہدُوں پر فائز رہے۔ اس سال ریاست میں پہلی بار نشر گاہیں قائم ہوئیں۔ اور آپ ریڈیائی لہروں کی نذر ہو گئے۔

دنیا والوں سے فِطری بے نیازی اور طبیعت کا ایک مخصوص لا اُبالیانہ انداز اس پس منظر کی پیداوار ہیں۔ زمانہ کی بے اِعتنائی اور زندگی کے نشیب و فراز نے نازکی کی طبیعت میں ایک یاس پرور خلش پیدا کر دی ہے۔ یہی خلش آپ کی شاعری کا

منبع ہے اور یہیں سے آپ کے کلام میں وہ درد اور اثر نفوذ کرتا ہے جو حقیقت نگاری کا خاصہ ہے ؎

تلخیٔ فکرِ حصولِ نان و آتش
یہ کوئی جینا ہے جو ہم تم جیتے ؟
ہم نے اس دُنیا سے کیا چھینا ہے دوست!
پرسشِ اعمال ہم سے ؟ کس لئے ؟

سرسیّد مرحوم کے عہد سے لے کر پہلی جنگِ عظیم تک اور جنگِ عظیم کے بعد سے اب تک اُردو ادب میں جو نئی تحریکات رونما ہوئیں کشمیر میں اُنکا عمل اور ردِ عمل صِفر کے برابر رہا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اُردو ادب کا کوئی ایسا سرمایہ نہ تھا جس پر کوئی تحریک اثر انداز ہو سکتی۔ جغرافیائی اعتبار سے کشمیر ہندوستان کا ایک جزو تو تھا لیکن ادبی لحاظ سے کشمیر میں اُردو کی نسبت فارسی زبان کا ایک فرسُودہ ذوق کارفرما رہا وہ بھی ایک محدود حلقے میں۔ اردو زبان کے ہر شاعر کی طرح نازکی نے آج سے بیس۲۰ سال قبل رِوایاتی غزل گوئی سے شاعری کا آغاز کیا۔ لیکن موزونیٔ طبع اور اقتضائے زمانہ نے آپ کے کلام میں رفتہ رفتہ ایک خوشگوار تنوع پیدا کیا۔ چنانچہ نظم گوئی کی ابتدائی مصلحانہ تحریک سے آج کل کی آتش فشاں انقلابی شاعری تک اُردو شاعری جن منازل سے گزری ان کا عکس غیر شعوری طور پر نازکی کے کلام میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری زندگی کی موجودہ قدروں سے مکمل طور پر آشنا ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ کا معتدبہ حصّہ قطعات پر مشتمل ہے۔ ایک خیال کو چار مصرعوں میں مکمّل طور پر اسی طرح ادا کرنا کہ پڑھنے والے کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جائے اتنا آسان نہیں جتنا پہلی نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ نازکی اس فن کے اُستاد ہیں۔ فکر کی وُسعت اور نفسیاتِ انسانی کے گہرے مُطالعے نے پیش پا افتادہ مضامین سے بھی

نہایت بلند موضوعات پیدا کر لئے ہیں ؎

دِل سے اٹھی لب پہ آئی لڑکھڑا کر گر پڑی
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا مآلِ التجا
حُسنِ بے پروا نظر آتا ہے مغرور و متین
ملتجی کو جب نہیں رہتی مجالِ التجا

میں اُس غریب کی مانند دل سے لڑتا ہوں
جو بے کسی میں اُلجھتا ہو قرض خواہوں سے
جو نا اُمید ہو لٹنے کے بعد اور دیکھے
متاعِ خانہ کو حسرت بھری نگاہوں سے

ناکام جوانی اور نامراد زندگی کے ماتم کے ساتھ ساتھ شاعر کا حساس دل گرد و پیش کے حسین و جمیل مرقعوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "فطرت کے میزبان کی انوکھی نوازشات" گاہے گاہے روتے رُلاتے مہمان کو اپنی طرف کھینچ ہی لیتی ہیں۔

ایک سُہانی چاندنی رات اور مانسبل کی جھیل
حسن کی چُپ چاپ دنیا خلد کا عکسِ جمیل
دُور تا حدِ نظر سرسوں کے کھیتوں کی قطار
آرزو کا سلسلہ لا انتہا، فرصت قلیل!

یہ سکوں پرور سکوں آموز رات
یہ حیات آگیں، حیات افروز رات

چاند جھومر کہکشاں ہے حلق بند
اور خالِ چہرۂ نوروز رات!

یہ شبِ مہتاب یہ پانی سے مالامال جھیل
دامنِ کہسار کا جھرنا، عدیلِ سلسبیل
ہر ادا مخمور، ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت
ہر پہاڑی طور، ہر منظر حسیں، ہر شے جمیل

"ہر جانب سکوں، ہر سو سکوت"! — لیکن پہلو میں تڑپتے ہوئے سکوں ناآشنا دل کو کیا کیجئے؟ 'غمِ روزگار' سے کہیں چھٹکارا ملا بھی تو 'غمِ عشق' نے سر ابھارا ؎

میں تمہیں اپنا بناؤں کس طرح
مل سکیں گے دھوپ چھاؤں کس طرح

زمین سینکڑوں صدیوں سے اپنے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔ دھوپ چھاؤں کبھی نہ مل سکے۔ دھوپ چھاؤں کی اس کشمکش کو انسان نے ابتدائے آفرینش ہی سے اپنی زندگی پر منطبق کیا۔ ہمارے ادبیات میں غزل انسان کے اُن اَمٹ جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ جو زمان و مکان کی قیود سے بے نیاز ہر قوم اور ہر ملک میں یکساں رہے ہیں۔ غزل نازکی کی اپنی چیز ہے۔ غزلیات کا حصہ مختصر اور جامع ہے۔ یہاں بدمست جوانی کا وہ اُبلتا جوش نہیں جو وقتی طور پر جذبات کو ابھار کر پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بلکہ ایک ایسے پختہ مشق شاعر کی متانت اور تمکنت کارفرما ہے۔ جس نے دنیا کو سو طرح سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ حسن و عشق کی نرم و نازک کیفیات کو آپ اس طرح بیان کرتے جاتے ہیں، کہ آدمی پڑھتا جاتا ہے اور زبان چٹخارے لیتی جاتی ہے۔ روانی کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کو کسی مدّ و جزر یا نشیب و فراز کا احساس تک نہیں ہوتا۔ باتیں

تو وہی پرانی ہیں مگر انداز نئے۔ ملاحظہ ہو ؎

سر کو جنبش سی ہوئی چہرے سے زلفیں ہٹ گئیں
شام نے اِک جھرجھری سی لی، سویرا ہو گیا
دُور تا حدِ نظر میری نظر تھی ہم رکاب
لوٹ کیا آئی اُجالے میں اندھیرا ہو گیا

اب کس کو یقیں آئے جو چیز ہے فانی ہے
پیغامِ محبت ہے اور اُن کی زبانی ہے
دو روز کے جینے میں برسوں کی جگر کاوی
ناکام جوانی کی یہ رام کہانی ہے

محبوب کے ہونٹوں پر سیلابِ تبسم ہے
یا نور کے دریا کی موجوں میں تلاطم ہے
دنیائے محبت کی ہر چیز نرالی ہے
خاموش اشاروں پر بنیاد تکلم ہے

شیرینیِ وصال مُسلّم مگر ندیم
تلخی لطیف تر تھی شبِ انتظار کی
کل کہہ رہا تھا پیرِ مغاں بادہ خوار سے
دنیائے اعتبار نہیں اعتبار کی

لکھنے والا ہو، تو آج بھی غزل کی لڑی میں بیش بہا موتی پروئے جا سکتے ہیں۔

یہاں تفصیل سے بحث نہیں، ایک مسلسل غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

ہر چند کہ طوفانوں سے لڑا، سیلاب سے الجھا، یم میں پلا
پیغمبر طوفان نوح مگر اشکوں میں شناور ہو نہ سکا
ازبسکہ چمن زاروں میں پلا، صحراؤں اُگا، جنگل میں بڑھا
اُس قد کے برابر سرو سہی شمشاد و صنوبر ہو نہ سکا
بجھ بجھ کے جلا، جل جل کے بجھا، جی جی کے مرا، مر مر کے جیا
خورشید منوّر پھر بھی مگر اُس بُت کے برابر ہو نہ سکا
ہر چند کہ تیری دنیا میں مجبور ہیں ہم مختار ہو تم
جو ہم نے زمیں پر کر ڈالا وہ تجھ سے فلک پر ہو نہ سکا

"ہم نے زمین پر کیا کر ڈالا؟" ——— یہ ایک طویل داستان ہے۔ بحر و بر کی وسعتوں کو مُسخر کرنے کے باوجود انسان ترقی کی راہ میں جتنا آگے بڑھتا گیا، اتنا ہی انسانی تہذیب کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی گئیں۔ کتاب کا آخری حصّہ مجموعی طور پر ہماری روزمرّہ زندگی کے مختلف النوع تاثرات کا ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ ترقی پسند اُردو ادب پر آپ کچھ بھی کہیں لیکن اس سے اِنکار نہیں ہو سکتا، کہ اس ادب نے ہمیں تخیلات کی جنّت سے نِکال کر واقعات کی دنیا میں کھڑا کر دیا ہے۔ آج ہر شاعر اور ہر ادیب چلتے پھرتے انسانوں کی دنیا میں سانس لینے پر مجبور ہے۔ تخیّل کی خالی بلند پروازیوں کے سہارے اب جھونپڑوں میں رہنے والوں کو محلّات کے خواب نہیں دِکھائے جا سکتے۔ نازکی ادبیات کے اِس واقعاتی رجحان سے اغماض نہیں برت سکتا۔ آئیے اور اپنے سماج کو ذرا قریب آکر دیکھئے!

کھوٹ دِلوں میں، جھوٹ لبوں پر، قول سے اِن کے فِعل جُدا
صبح کو یزداں، شام کو شیطاں، رات سے دِن کے فِعل جُدا

بغض و عداوت، رشک و رقابت، آپا دھاپی، چیخ پُکار
ابلیسوں کے چیلے چانٹے، شیطانوں کے برخوردار!

اور پھر ؎ "تکمیلِ تمدّن ہے معراجِ جفا کاری" —— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الھڑ گڈریے نے "کارگہِ شیشہ گراں" پر آخری پتھر پھینکا ہے۔

اِنسان کی بے بسی اُس وقت اِنتہا کو پہنچ جاتی ہے جب ظالم سماج کے دوش بدوش 'اندھی مشیت' بھی اِنسان کے درپے آزار ہو جاتی ہے۔ "اندھی لڑکی کی دعا" خدا کی لاتعداد نعمتوں پر ایک گہری طنز ہے ؎

لوگ کہتے ہیں کہ رنگوں کی کئی اقسام ہیں
سرخ ہیں کالے ہیں پیلے اور نیلی فام ہیں
اور اِن رنگوں سے وابستہ ہزاروں کام ہیں
مجھ کو کیا؟ یہ آنکھ والوں کے لئے انعام ہیں

حقائق تلخ ہوں تو ہوں انکی صحت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ خیر و شر کی کشمکش میں بالعموم شر کی فتح نِظام زیست کی ایک ناخوشگوار حقیقت ہے۔ انسانی دنیا پر آج بھی چاروں طرف شر کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ یزید کی پکار دراصل ابلیسی نظام کے بلند بانگ دعاوی کی صدائے بازگشت ہے ؎

یزدان و اہرمن کا ازل سے تضاد ہے
ابلیس کی قسم کہ خدا نامُراد ہے
یزدانیوں کی قسمت دیرینہ ہے شکست
خرم کسے کہ فطرت او ظالم و بداست

کبھی پوری نہ ہونے والی تمنائیں، زندگی کے حسین مگر پُر فریب مغالطے، موت کے ناقابل برداشت صدمات، جوانی کا غم، بڑھاپے کا الم ـــ آدمی کا سرمایۂ حیات اتنا ہی

تو ہے۔ ناز کی زندگی کے خالص واقعاتی پہلو (REALISTIC SIDE) کو دیکھتا ہے۔ آپ کے محسوسات میں نہ فلسفیانہ استدلال ہے نہ روماں کی غیر حقیقی نکتہ آرائیاں۔ "مزارِ دوست" پر موت کی شدید تمنا اور "زلف شبگوں" کے سامنے چند روز کی مہلت کی ہوس ۔۔۔ انسانی فطرت کے دلچسپ طور طریقوں ہی نے زندگی کو زندگی بنا رکھا ہے۔ زمانہ کی رفتار روز بروز زندگی کی الجھنوں میں اضافہ کرتی جا رہی ہے۔ دورِ حاضر کے ہر انسان کی طرح شاعر بعض اوقات گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہوئی دنیا کے ناہموار پیچ و خم سے گھبرا کر ایسی جائے پناہ کیلئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ جہاں تھوڑی دیر کے لئے کراھتی کراہتی زندگی کے حادثات باریاب نہ ہوسکیں۔ شراب ہماری شاعری میں تعیش پرستی کا نشہ نہیں خود فراموشی کی افیون سمجھی جاتی ہے۔

اِس حال میں خوش رہنا میرے لئے مشکل ہے
تھوڑی سی میں پی لوں گا گو زہرِ ہلاہل ہے
حساس طبیعت کو غفلت کی ضرورت ہے

تعارف قدرے طویل ہو گیا ہے۔ اور معذرت یہی کہ ؎
لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

پانپور
۱۰ ستمبر ۱۹۴۸ء

غ۔م۔طاؤس